تغیر

عفت موہانی

تعبیر

عفت موہانی

عفت موہانی کا نیا ناول

تعبیر

خاص حریمی بہنوں کے لئے!!

ناشر

نسیم بک ڈپو ۲۵ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ

فون { ۴۴۵۵۹
۴۵۳۳۴

بار اوّل (سنہ ۱۹۸۶ء) باہتمام فہیم انہونوی۔ نامی پریس ۔۔۔ لکھنؤ

تعبیر

۲

اماں نے اتنی شدت اور بے چینی سے کبھی اپنے میاں کا انتظار
نہ کیا تھا۔ اس وقت بھی نہیں جبکہ ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی
اور ان کے شوہر دوستوں میں گپ شپ اڑا کر رات کے بارہ ایک
بجے گھر آتے تھے۔ حالانکہ اماں سسرال میں نئی تھیں مگر کسی کا خیال
کیے بغیر رات کا کھانا کھا کے اطمینان سے لمبی تان لیتی تھیں۔ اور یہ
سوچ کر بے حد خوش ہوتی تھیں کہ اب آنے دو صفدر صاحب کو
بڑی بی یعنی صفدر صاحب کی اماں خود ہی ان سے سمجھ بوجھ لیں گی
بڑی بی خاصی رعب والی تھیں اور اپنے اکلوتے بیٹے کی وہ کس کے
خبر لیتی تھیں کہ چھ فٹ اونچے اور ابا بیلی مونچھوں والے بیٹے کے
پسینے چھوٹ جاتے تھے! اب بڑی بی گزر چکی تھیں بے چاری۔ اور اپنا
ورثہ، انتظار کا ورثہ بہو کو سونپ گئی تھیں۔ صفدر صاحب کوئی
نامعقول شخص نہ تھے۔ ایک اعلیٰ اور قیمتی چیزیں بنانے والی فیکٹری
کے منیجر تھے بڑی تنخواہ اٹھاتے تھے۔ اور بے حد شریف، مہذب اور
شاعرانہ مزاج والے آدمی تھے۔ بس ذرا انہیں مجلسی زندگی پسند تھی

تنہا نہیں رہ سکتے تھے۔ فیکٹری سے واپسی پر پرانے دوستوں میں بیٹھے رہتے تھے۔ سو یہ بات نہ تو ان کی ماں کو پسند تھی نہ اب بیوی کو اچھی لگتی تھی۔ لیکن بیوی بہر حال ان کے کہے کی تھیں۔ انھوں نے اب انتظار کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ بلا سے۔ اگر صفدر صاحب اپنی اور دوسروں کی بکواس میں دماغ کو تازہ کر لیتے ہیں تو یہی سہی۔ ان کا کیا نقصان ہے۔ اور اب تو ان کے ہاں چار بچے بھی ہو چکے تھے۔ دو بچیاں۔ دو بیٹے۔ بہت اچھے بہت پیارے، ہنس مکھ، خوش مزاج اور سعادت مند بچے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ہر طرح بچوں میں جی لگا لیا تھا! اب تو پہلے کی طرح بعد نماز عشا وہ مزے میں پڑ کے سو جاتی تھیں۔ صفدر صاحب آتے تو بچیاں ہی انھیں کھانا دے دیا کرتی تھیں۔ اور صفدر صاحب رازداری سے کہتے تھے۔

"اپنی ممی سے مت کہنا کہ میں گیارہ بجے آیا تھا، بلکہ وہ پوچھیں تو ذرا میری طرف سے کہہ دینا کہ ابا مغرب کے وقت ہی چلے آئے تھے۔ اپنے کمرے میں بیٹھے تازہ رسالے پڑھتے رہے تھے۔ اب آپ نے نہ دیکھا ہو تو ان کا کیا قصور؟"

"ابا۔ ہر کام کی ایک اجرت ہوتی ہے۔ ہمیں کیا معاوضہ ملے گا! مطلب یہ کہ کمیشن!"

اُف!" صفدر صاحب ہلکے پھلکے مذاق سے بے حد محظوظ ہوتے۔ "یہ رشوت کی عادت تمہاری امی نے بہت بری ڈال دی ہے۔ اب بھی بات رہے گی کوئی ایسی چیز ہی نہیں ہے جو رشوت مطلب یہ کہ معاوضہ یا کمیشن کے طور پر دی جا سکے!۔

آپا۔ کیا سارا بازار خالی ہو گیا؟۔
ہاں بیٹا۔ قلم، پنسل، ربن اور مٹھائیاں تو سمجھو کہ عنقا ہو گئیں۔!
"آپ کی جیب میں کچھ تو گرمی ہو گی آپا۔!"
اور صفدر صاحب ہنس پڑتے۔ لڑکیاں بھی بے حد لطف لے کر ہنس دیتیں۔

مگر اس وقت! ٹھنڈا رسے دالان میں ہوا سے کھلتے بند ہونے بڑے بڑے دروازوں کے سامنے بیگم صفدر اکیلی بیٹھی بڑی بے چینی سے صفدر صاحب کا انتظار کر رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں گلابی پھول دار کاغذ تھا۔ جس پر کچھ خاص عبارت تحریر تھی۔ اور وہ رہ رہ کے اس پر نظریں دوڑا رہی تھیں!۔

لڑکے اسکول سے آکر کھیلنے چلے گئے تھے۔ بڑی لڑکی کچن میں ماما کے ساتھ کھانے کی تیاری میں لگی تھی۔ چھوٹی اپنے ننھے سے باغ کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھی!۔ وہ اکیلی بیٹھی بے حد جھنجلائی ہوئی سوچ رہی تھی، ساری زندگی اسی انتظار میں کٹ گئی۔ اب دیکھئے کب تک آتے ہیں؟۔ بیوی سے زیادہ دوست پیارے ہیں۔ شام کے سات بج چکے ہیں وعدہ کر گئے تھے کہ جلدی آجائیں گے۔ مگر بھول گئے ہوں گے۔ بیٹھ رہے ہوں گے۔ شعر شاعری کی واہ واہ میں۔ شعر و شاعری کسی کام کی نہیں۔ آج تک اس شوق نے کسی کا پیٹ نہیں بھرا۔ جہاں سرسوتی دیوی کے قدم گئے۔ وہاں سے لکشمی دیوی نے ڈیرے اٹھا لیے۔ اب خالی الفاظ اور ڈھیلے واہ واہ سے پیٹ بھریئے!۔

اب کتنا ضروری کام تھا۔ انھوں نے گلابی کاغذ گاؤ تکیہ کے نیچے

چھپا دیا۔ اور ماما کو آواز دی۔

"تھوڑی سی گرم چائے دے جاؤ!۔ سہ پہر کی سی میٹھی ٹھنڈی شربت کی سی نہ اٹھا لانا۔ خنکی سی افیم کی طرح منہ میں یوں گھلتی ہے کہ جائے پالا ہو جائے!" ان کی یہ عادت تھی کہ ذرا دیر تک بولتی رہتی تھیں۔

پانچ منٹ بعد بڑی لڑکی چائے لے کر آئی۔

"بہت گرم ہے اماں۔ ایک دم سے نہ پی لیجیے گا۔ ہونٹ جل جائیں گے"

"تم لوگوں نے مجھے کھلونا سمجھ رکھا ہے" انھوں نے برا مانا۔ اور پیالی لے کر میز کے گوشے پر رکھ دی۔!

دراصل اس پر نظر پڑی تھی۔ اور ان کے خیالوں میں پھر بھنور پڑنے شروع ہو گئے تھے اور صفدر صاحب کے انتظار کی کوفت تازہ ہونے لگی تھی۔

انھوں نے خون کے گھونٹ کی طرح چائے پی۔ اور ناگوار انداز میں بولیں۔

"مغرب کے وقت لڑکی درختوں میں گھسی کیا کر رہی ہے بلاؤ اسے۔ جیسے جو خبط ہے وہ انوکھا ہے۔ باپ بیٹی اپنے مشغلے میں دیوانے۔ وہ لڑکی باغبانی کے مارے حیران سب کے پیچھے دماغ خالی کرتے کرتے میں پاگل ہوتی جا رہی ہوں۔!"

"اماں آپ پھولوں کی اتنی شوقین جو ہیں تو اسی لیے بے چاری اسا دن رات درختوں میں گھسی رہتی ہے۔ آپ کو ہر حال جوہی چنبیلی کے پھول ملتے رہا کریں۔ عذرا نے بھولے پن سے کہا۔

"ابھی تو عمر ہے میری ہار پھول پہننے کی۔؟" انھوں نے پھر برا مان لیا
"عمر کو کیا ہوا ہے اماں!" عذرا نے جواب دیا۔ "سچ مانیے ابھی آپ
کم عمر اور نوجوان لگتی ہیں کہ کم سے کم میری ماں تو معلوم ہی نہیں
ہوتیں۔ میری ساری سہیلیاں حیران ہیں کچھ تو کہہ دیتی ہیں کہ عذرا
سچ سچ بتانا۔ کیا یہ تمھاری سگی والدہ ہیں کہ تمھارے والد نے ان کی
خوبصورتی کے مارے دوسری شادی کر لی ہے۔ اس وقت میرا سر
فخر سے اونچا ہو جاتا ہے۔"

"اچھی تربیت دی ہے یاور نے!" انھوں نے اسے گھورا۔ "بیٹی آج اماں
کے حسن اور جوانی گننے بیٹھی ہے۔ اچھی بات ہے۔ آج فیصلہ ہو ہی
جائے گا۔"

"بابا جی سے ہم خیال ہیں اماں۔ کئی بار کہہ چکے ہیں کہ —!"
دفعتاً ڈیوڑھی میں صفدر صاحب کے گنگنانے کی آواز آئی۔ عذرا
خالی پیالی لے کر کچن کی طرف بھاگ گئی۔ اور انھوں نے اپنے غصہ ور
موڈ کو زیادہ موثر بنانے کے لیے چہرہ سنجیدہ بنا لیا۔ صفدر صاحب دالان
میں آئے تقریباً چالیس بیالیس سال کے بڑے خوبرو، ہنس مکھ۔
خوش مزاج آدمی تھے۔ ہر وقت ان کے لبوں پر تبسم کھیلتا رہتا۔ اور
آنکھیں زندہ دلی کی چمک سے منور نظر آتیں۔ بڑے با اخلاق، پرمحبت
اور مخلص آدمی تھے!۔

بیوی پر نظر پڑی اور انھوں نے گنگنانا بند کر دیا۔
"آپ کے تین اب بجے ہیں!" بیوی نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔
"وہ تو تین گھنٹے پہلے ہی بج گئے تھے مگر وہ ظالم شیراز مل گیا تھا۔"

زبردستی اپنے مجموعۂ شعر کی اجرا کی تقریب۔!"

"بس، آپ ابھی بھڑک رہ گئے ہیں" وہ زیادہ بگڑ بیٹھیں "کسی ناول کا اجرا، کسی جلسے کی صدارت، گھر والوں کو آپ کی ضرورت نہیں ہے"

صفدر صاحب ہنستے ہوئے ان کے قریب بیٹھ گئے: "آ گیا ہوں۔ گھر والوں کے لیے۔ اور آئندہ کے لیے معافی کا طلبگار ہوں۔ ذرا سے"

انھوں نے آواز دی: "عذرا بیٹی۔؟!"

"آئی ابا"

"بیٹا۔ چائے!"

"ابھی لائی ابا۔"

چند منٹ بعد جب صفدر صاحب چائے پی چکے تو پوچھا: "میرا انتظار کیوں تھا!"

"آپ جو اتنے غافل اور بے پرواہ رہتے ہیں تو مجھے بڑا ڈر لگنے لگتا ہے کہ خدا ہی جانے۔ میرے بعد اس کا کیا حشر۔!"

صفدر صاحب نے انھیں گھورا: "میرے بعد؟۔ یہ کیا کہہ رہی ہو؟۔ یہ میرے تیرے بعد کی بکواس کیا ہے؟ کیا میرا کلیجہ جلانے کے خاطر ہی مجھے جلدی بلایا تھا تم نے؟"

"آپ کو ڈاکٹر نے نہیں بتایا تھا کہ مجھے بلڈ پریشر ہے۔!"

"تو پھر۔ کون سی ایسی مہلک بیماری ہے؟۔"

"فکر دل سے پیدا ہوتی ہے؟۔"

"جانتا ہوں۔ فکر دل سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر میں پوچھتا ہوں تمھیں فکریں کون سی ہیں۔ جیسے کوٹھی میں تم بے فکر ہو۔ ہر ماہ دودھ کی

ہزار لاکھ تمہارے پائے حنائی پر نچھاور کر دیتا ہوں۔ خدا نے اولاد دے رکھی ہے۔ دو خوب صورت لڑکیاں۔ دو سعادت مند لڑکے اللہ نے ذاتی مکان عطا فرمایا ہے۔ اور کیا؟"

بیٹئے! مجھے عذرا کی بڑی فکر ہے۔!

اس کی فکر مت کرو ابھی وہ پورے سترہ کی بھی نہیں ہوئی۔

کیا ستائیس کی کیجیے گا!؟

میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔

آج بوا شیر بیگم پھر آئی تھیں۔ ان کے پاس چار بہت اچھے پیغام تھے۔ وہ چار دل نسب نامہ مع تصویر دلا کے مجھے دے گئی ہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ بس صبح تک واپس کر دیجیے گا کسی اور جگہ دینے ہیں اس لیے میں نے آپ سے کہا تھا کہ جلدی آجائیے گا۔ بچوں کو کہنے کا موقعہ نہ تھا۔ اب آپ اندر کمرے میں چلیے اور اطمینان سے سب نسب نامے اور ساری تفصیل دیکھ کر مجھے کوئی جواب دیجیے تاکہ میں شیر بیگم بوا سے کہہ سکوں! ایک آدھ بھی پسند کیجیے تو پھر بعد کو تحقیق کرتے رہیں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ اب کی بقر عید میں اس کے فرض سے سبکدوش ہو لیں۔ آگے پڑھوانا مجھے پسند نہیں ہے!"

صوفیہ! میں نہیں سمجھ سکتا تمہارے یہ خیالات کون سی مایوسی کی پیداوار ہیں۔ تم خود گریجویٹ ہو اور تعلیم کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتی ہو لیکن تم اپنی ہونہار، قابل اور ذہین لڑکی کو جاہل رکھ کے کم عمری میں بیاہ دینا چاہتی ہو۔ تمہارا یہ انداز فکر

"اسما - اے بچی اسما - اچھی خاصی شام ہو چکی ہے - درختوں میں گھسی کیا کر رہی ہو۔ خدا نہ کرے کوئی کیڑا پتنگا نکل آئے۔ اور پھر شام کو عورت بچیوں کا درختوں میں رہنا اچھا نہیں ہے - چلی آؤ - پگلی - اتوار ہے - صبح سے بس یہی کام ہے - نہ پڑھنے لکھنے کی نہ گھرداری کی اس لڑکی کو جھاڑ جھنکاڑ سے کیا دلچسپی ہے!" اپنی عادت کے مطابق وہ اور بھی بہت کچھ کہتیں لیکن اتنے میں ایک نوعمر بچی ان کے پاس آکھڑی ہوئی۔ اس کے وہاں آتے ہی یوں معلوم ہوا جیسے دالان کی روشنی کچھ اور تیز ہو گئی ہو۔ لڑکی کی عمر بارہ تیرہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ مگر وہ بڑی حسین تھی۔ پاک بے داغ گلابی رنگت، خوبصورت پیشانی، خوشنما موٹی موٹی کالی کالی آنکھیں جو گھنی خمیدہ پلکوں سے سجی ہوئی تھیں پیاری سی ناک، اور رسیلے گلابی ہونٹ، سیاہ دراز بال جو آدھے گندھے ہوئے باقی یونہی کمر پر لہرا رہے تھے۔!

"اماں کیوں بلایا ہے آپ نے؟"

"گھاس پوس میں کب تک گھسی رہو گی؟" صوفیہ بیگم نے شوہر کا غصہ اس پر اتارا۔

"چنبیلی کی کلیاں چن رہی تھی اماں۔!"

"ان کا کیا کام تھا۔"

"باجی کہہ رہی تھیں کہ اگر اماں کو پھول پہننے کو نہ ملے تو ماریں گی!"

"یہ لڑکی اور پاگل بناتی ہے!!"

اسما ہنستی ہوئی بھاگ گئی!!

عذرا کچن میں بیٹھی شامی کباب بنا رہی تھی۔ اسما اس کے پاس

چوکی پر بیٹھ گئی اور کان میں کنگن اُٹھی ۔

" باجی ۔ آج پھر ابا اسی دن کی طرح تصویریں دیکھ رہے ہیں ۔ اکل وہ بڑھی شریفن بھی آئی تھی ! ۔

اچھا ؟ " عذرا نے آنکھیں پھیلائیں ۔

ہاں باجی ! " اسما کا غنچہ سا منھ سکڑ گیا ۔

اس سے تم بڑی ناراض معلوم ہوتی ہو ۔ ! " عذرا مسکرائی ۔

" میرا بس چلتا تو میں بڑی بی کو گھر میں آنے ہی نہ دیتی ۔ !

کیوں مگر ۔ !

ارے ۔ کل کہہ رہی تھی کہ یہ آپ کی بٹیا بڑی گجر بالسی ہے ۔ ذرا بڑی ہولے تو پھر میں اچھے اچھے لڑکوں کی قطار لگا دوں گی ۔ ہنھ ! ۔ اماں اس بڑھی کی باتیں اتنے شوق سے سنتی ہیں ۔ اب سنئے باجی ۔ آپ کی شادی لگ رہی ہے شاید ۔ مجھے دیکھ کر ابا نے لڑکوں کی تصویریں اپنے گھٹنے تلے رکھ لیں تھیں ۔

لڑکوں ہی کی تھیں ؟ " عذرا اب بھی مسکرا رہی تھی ۔

اے لیجئے آپ کی باتیں ۔ " اسما نے وثوق سے کہا " مونچھیں جو مجھے دکھائی دی تھیں " ۔

تمھارے لیے آئی ہوں گی بی جی ۔ تم ابھی سے اتنی خوبصورت ہو " عذرا نے کباب کی ٹکیاں بنا بنا کر بدستور رحمت نانی کو دیتے ہوئے کہا ۔ سب لوگ تمھیں کتنا پسند کرتے ہیں ۔ مظہر بھائی کی بہن عائشہ باجی ، سعیدہ خالہ ، رشیدہ آنٹی ، اور جانے کون کون ہیں ۔ جنھوں نے اماں سے کہہ رکھا ہے کہ اسما کو ہم لیں گے ! "

سچ مچ؟" اسما کی خوشنما آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی۔
بالکل سچ مچ!" عذرا نے اسے اور چھیڑا: "میں تمہاری اتنی خوبصورت نہیں۔ مجھ پر کسی کی نظر بھی نہیں پڑتی۔ اور پھر مجھے ابھی بڑی دور تک بڑی دور تک پڑھنا ہے!۔ اماں سے کہہ رکھا ہے میں نے!"
مجھے نہیں پڑھنا ہے کیا" اسما تنک اٹھی: "واہ۔ میں اماں سے کہہ دوں گی ضرور کہنا" عذرا نے اپنا کام ختم کر کے اٹھتے ہوئے کہا: "لڑکیوں کو بھی بہادر، نڈر، اور کیا کہتے ہیں کہ اظہار خیال میں آزاد ہونا چاہیئے۔"
اچھا اچھا۔!" اسما کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ بیٹھی سوچا کی۔ شادی کا مفہوم اس کے لیے بس اتنا تھا کہ خوب سارے جھمجھماتے کپڑے اور جگمگ کرتے زیور ملیں گے۔ خوب سی مٹھائی کھانے کو ملے گی، دروازے پر باجہ بجے گا اور ایک لمبی سی لال موٹر جو پھولوں سے ڈھکی ہوگی۔ اس کے لیے آئے گی!۔ اس نے سوچا۔ اماں سے کچھ کہنا ٹھیک نہیں۔ ارے اس دن شادی بیاہ کے چرچے پر باجی کو کتنا ڈانٹا تھا۔ یہ تو باجی ہی اتنی ڈھیٹ اور بہادر تھیں جو ہنستی رہی تھیں۔ وہ تو فوراً رو پڑتی۔ اگر اماں اسے بھی اتنا ہی خفا ہوتیں!۔
صفدر صاحب نے ایک گہری سانس لی اور ساری چیزیں بیوی کے سامنے سرکا دیں۔
کیوں کیا ہوا؟" صوفیہ بیگم نے پوچھا۔
ایک ڈاکٹر ہے ایک انجینئر ہے، دو بزنس مین:" صفدر صاحب نے جواب دیا: "اب تم یہ سوچو کہ کوئی ڈاکٹر اور انجینئر چالیس سے کم نہ ہوگا۔ مطلب یہ کہ میرا داماد۔ ماشاءاللہ میری عمر کا ہوگا۔ اور رہے

بزنس میں ۔ وہ کوئی تجربہ حاصل کرتے بزنس میں پہنچے ہوں گے ۔ تجربہ اگر انھوں نے بیس سال کی عمر سے شروع کر کے بیس برس بعد ختم کیا ہے ۔ گو کہ تجربے کے لیے ایک عمر بھی ناکافی ہے تو مطلب یہ کہ وہ بھی چالیس بیالیس کے ہوں گے !۔ اگر تم اپنے شوہر کے ہاں برداشت کرنا چاہتی ہو تو بسم اللہ ۔ بولو شریفن کو جواب دے دو جس کا جی چاہے آ کے تمھاری لڑکی سے نکاح کر لے !"

صوفیہ بیگم کے چہرے پر ناگواری کے باوجود مسکراہٹ نمودار ہو گئی "آپ تو خود کو نجانے کتنا کم عمر نوجوان سمجھتے ہیں !"

میرا پیام دے کے دیکھ لو ۔ نہ مل جائے مجھے کوئی سولہ سترہ برس کی لڑکی ۔ تب کہنا !" صفدر صاحب نے کہا ۔

تو آپ کو اقرار ہے کہ اس عمر میں بھی لڑکی مل سکتی ہے "۔ صوفیہ بیگم نے جیسے قلعہ جیت لیا ۔ "پھر ان رشتوں پر آپ کیوں اعتراض کر رہے ہیں !"

صفدر صاحب ہنسنے لگے ۔ "یہ تم نے نہیں سوچا کہ مجھے جو لڑکی مل سکتی ہے ۔ اس کے لیے پہلے ہی سے ایک سوتن اور چار سوتیلے بچے موجود نہیں ہوں گے !"

توبہ "۔ صوفیہ بیگم یوں خاموش ہو گئیں جیسے سکتہ ہو گیا ہو ۔ صفدر صاحب نے پھر کہا ۔

"تو میرا مشورہ مانو کہ یہ رشتے واپس کر دو ۔ ابھی نظر رکھو پڑھتے رہنے دو کے لیے آگے چل کر اچھا رشتہ آئے گا !"

صوفیہ بیگم نے ڈری ہوئی آواز میں کہا ۔ "مگر میرا بلڈ پریشر !"

"جب تم کسی ایک حتمی فیصلے پر پہنچ کر مطمئن ہو جاؤ گی تو تمھارا بلڈ پریشر جو محض ذہنی الجھن اور وہم ہے ۔ وہ بھی چلا جائے گا !"

دیوار گیر کلاک نے شام کو سات بجائے اور دالان کے پیچھے نظام اور عزیز باہر سے آئے۔ پہلا گمان تھا کہ قدرت نے ان کے بچوں کے چہرے سوچ سوچ کر بنائے تھے۔ نظام جو چودہ پندرہ برس کا ایک صحت مند اور قد آور لڑکا تھا۔ عذرا کا ہم شبیہ تھا۔ مگر عزیز اس کے برخلاف اسی کا سا حسین خوبرو! شہابی رنگت، لمبی لمبی خوش نما آنکھوں اور ذہانت سے تمتماتی پیشانی والا ہنس مکھ سا بچہ۔ جس کے بائیں رخسار کے پاس لبوں سے نیچے ایک خوبصورت خال سیاہ۔ جیسے قدرت نے اپنے ہاتھ سے نظر کا ٹیکہ لگا دیا ہو!۔

"یہ رات تک باہر رہ کر کھیلنا کودنا کیا کوئی اچھا کام ہے" صفدر صاحب نے دونوں کو دیکھ کر آنکھیں نکالیں۔

"ابا میں تو اپنے دوست کے ساتھ مل کر پڑھ رہا تھا" عزیز نے کہا "کل میرا انگریزی کا ٹسٹ ہے!"

"اور آپ؟" صفدر صاحب نے سنجیدگی سے نظام سے پوچھا۔ چونکہ وہ اپنے بچوں کے دوست تھے اور بچے ان سے ڈرتے نہ تھے۔ لہٰذا ان کے لہجے پر مسکرا کر نظام نے کہا:

"ابا۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں کبیر کے ساتھ کیرم کھیل رہا تھا!"

"تعلیم کھیل پر مقدم ہے بیٹا!" صفدر صاحب نے کہا "بس اتنا یاد رکھو!۔ میں ہمیشہ یاد رکھوں گا ابا" نظام کچھ شرمندہ سا ہو گیا!

"بیوی کھانا لگاؤں" رحمت نانی کمرے سے جھکی دالان میں نظر آئیں۔ کباب ٹھنڈے ہو کر خراب ہو جائیں گے!"

"ابھی تو چائے کا مزہ منہ میں باقی ہے" صفدر صاحب یہ کہہ کر اٹھ

گئے "تم لوگ میرا انتظار نہ کرو۔ جاؤ کھانا کھاؤ۔ میں ٹھہر کے کھاؤں گا!"

کھانے کے بعد صوفیہ بیگم اپنے کمرے میں چلی گئیں اور جب عذرا ان کے لیے ایک بار پھر چائے لے کے گئی تب انھوں نے اس کے سراپا پر نظریں ڈالیں۔

کیسا قد نکال لیا ہے۔ عمر سے زیادہ لگتی ہے۔ دلکش، خوش مزاج ہر بات کو مذاق میں ٹال دینے کی عادی۔ بڑی سے بڑی پریشانی میں بھی مسکرانے والی ہمت نہ ہارتی تھی! مضبوط ارادوں کی مالک۔ ضدی۔ سرکش۔!

وہ اسے پسند بھی کرتی تھیں اور اس سے خائف بھی تھیں۔ نجانے اس کی سخت فطرت آگے چل کر کیا گل کھلائے! ابھی تک وہی کرتی آئی تھی جو چاہتی تھی۔ !کسی کا کہنا ماننا، کسی سے متاثر و مرعوب ہونا اس نے سیکھا ہی نہ تھا!۔

اگر یہ ایسی ہی کڑی کمان کا تیر رہی تو پھر۔

صوفیہ بیگم کا دل دھڑکا۔

"اماں! آج ایک ایسا اچھا شعر پڑھا ہے کہ ابھی تک اس کا نشہ طاری ہے" عذرا نے کہا۔ اب یہ حقیقت تھی کہ صوفیہ بیگم بھی اچھے اشعار اور عمدہ ادب پاروں کی شائق تھیں اپنے زمانے میں انھوں نے بھی تھوڑی بہت ادب نوازی کی تھی۔ اچھے شعروں کی ان کے پاس ایک بیاض بھی تھی! چنانچہ انھوں نے ہمہ تن متوجہ ہو کر پوچھا۔

"کیا شعر ہے۔ مجھے بھی سناؤ!"

عذرا نے بڑے جذب و شوق سے سنایا۔ ؎

سراپا فغاں ہے مری زندگی   تری یاد میں کس قدر تھک گئی

شعر بے حد عمدہ ہے۔ کسی حساس شاعر کے دل کی آواز۔" صوفیہ بیگم نے کہا۔" نہیں کچھ یاد آگیا تھا کوئی بھولی بسری یاد۔ جو دل میں کسک پیدا کر نے والی تھی۔ ماضی سب کا تکلیف دہ ہوتا ہے چاہے اچھا ہو چاہے برا۔

" اچھا اب تم کچھ دیر کے لیے بیٹھ جاؤ بیٹی۔!" انھوں نے کہا:" اور دیکھو میں جو کچھ کہتی ہوں۔ وہ دل لگا کے سنو اور مجھے سمجھداری سے جواب دینے کی کوشش کرو۔"

اماں جو بات آپ مجھ سے پوچھنا چاہتی ہیں۔ وہ مجھے معلوم ہے۔" عذرا ان کے پاس بیٹھنے کی بجائے پاس سے ہٹ کر لمبی سی فراخ اور خوشنما کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی" آج آپ کے پاس چند تصویریں آئی تھیں عجیب مگر وہ صورت بڈھے تھے۔ مجھے ان سب سے گھن لگتی ہے اماں۔ اُف آپ شادی کا مطلب نجانے کیا سمجھتی ہیں۔ میں تو اسے ایک عمر قید سمجھتی ہوں مطلب یہ کہ آزادی کا خاتمہ۔ ایک حاکم کا تسلط۔ لہٰذا ایک قفس میں بند ہو کر جینے سے عذرا صفدر کا دور سے سلام ہے۔"

سخت برا مان کر انھوں نے کہا:" تمھارے باوا نے تم کو بہت تیز بنا دیا ہے۔"

معلوم نہیں اماں۔ ابا تو یہ کہتے ہیں کہ ماں کے نقش قدم پر چلا کرو۔!

چپ رہو!۔ تم نے تو مجھے اپنی سکھی سہیلی سمجھ رکھا ہے۔! جواب پر جواب دیے چلی جاتی ہو!۔

" اماں۔ سچ مانیے کہ میں آپ کی لڑکی تو کسی صورت سے لگتی ہی نہیں ہوں۔ میری سب سہیلیاں کہتی ہیں کہ صوفیہ بیگم کیا تمھاری بڑی بہن ہیں

شکل ملتی جلتی ہے۔ اور وہ صفدر سعید صاحب کیا تمھارے بہنوئی ہیں مجھے تو آپ کو ماں کہتے شرم لگی تب میں نے کہہ دیا کہ ہاں سوتیلی بڑی بہن ہیں!"

پھر فضول باتیں شروع کردیں" صوفیہ بیگم کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی" تم سے میں پوچھ رہی تھی کہ کل کلاں کو میں کوئی خاص بات تم سے کہوں گی تو تم میرے حکم پر سر جھکاؤ گی کہ اپنی ہانکو گی۔ بیٹی دیکھو۔ تمھاری ضد اچھی نہیں۔ لڑکی کی تعلیم صرف ایک حد تک اچھی ہوتی ہے۔ مگر بہت زیادہ علم لڑکیوں کے لیے مستقبل میں بڑی دشواریاں پیدا کر دیتا ہے۔ انھیں ٹکر کے خاندان نہیں ملتے۔!"

"تلاش کون کرتا ہے!"

تم کیا چاہتی ہو۔ اس عمر میں تمھاری سرکشی کا یہ حال ہے۔ آئندہ تمھاری ضد کا کیا حال ہوگا!۔

اماں۔ نہ میں سرکش ہوں نہ ضدی۔ میں اپنا حق آپ سے مانگتی ہوں۔ مجھے پڑھنے دیجئے۔ اچھا شب بخیر!" وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی!

صوفیہ بیگم کے ساتھ ایک ٹریجڈی وابستہ تھی۔ ماں کی ناگہانی موت وہ بڑا کنبہ تھا۔ ماں باپ، بھائی بہن۔ اور چچا اور ان کی بیوی بچوں کا بھرا پرا ہنستا بولتا کنبہ تھا۔ سب کے سب تعلیم یافتہ، روشن خیال اور بڑے فراخدل لوگ تھے۔ خوش مزاجی زندہ دلی ان سب کا خاص وصف

تھی۔ وہاں سب ایک تھے ان کے دل دماغ اور سوچنے سمجھنے کے انداز یکساں تھے۔ بڑے چھوٹے مل جل کر رہتے!۔ اور ہمیشہ وہاں کوئی نہ کوئی تقریب برپا رہتی۔ چونکہ وہ ایک بڑا خاندان تھا۔ لہذا کبھی کسی کی منگنی کا ہنگامہ عیش و طرب کا بہانہ بن جاتا کبھی کسی بچے کی دھوم دھام سے سالگرہ ہوتی اور گھنٹوں روشن منزل کے بڑے گیٹ پر شہنائی بجتی رہتی! اس بے غبار زندہ دل اور ہنستے مسکراتے خاندان میں صوفیہ بیگم بھی پروان چڑھی تھیں ان کی والدہ بہت نیک، خوش مزاج، مذہبی و دیندار خاتون تھیں۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ ہنسی مسکراہٹ ان کے لبوں سے کبھی جدا ہوتی ہی نہ تھی۔ بڑی سے بڑی مشکل میں بھی وہ مسکرایا کرتی تھیں اور دوسروں کے حوصلے بندھاتی تھیں۔ یہ بھی ان کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ کبھی بیمار پڑتی ہی نہ تھیں۔ کیا ہوا جو کبھی زکام ہوگیا یا درد سر نے ستا لیا۔ وہ بھی بس چند گھنٹوں کے لیے۔ کم سے کم صوفیہ بیگم کو تو یاد ہی نہ تھا کہ ان کی امی کبھی بستر پر لیٹ کر ہائے ہائے کرتی ملی ہوں۔ ہر دم صحت مند ہشاش بشاش چاق و چوبند۔ ہر کام میں آگے آگے، ہنستی مسکراتی لبوں سے گلفشاں۔ وہ ایک عجیب خاتون تھیں، دکھ، پریشانی اور غم سے جنھیں واسطہ ہی نہ تھا۔ وہ بھی بڑی ادبی ہستی تھیں۔ اڑتی اڑتی صوفیہ بیگم نے سنی تھی کہ اپنے زمانہ شباب میں انھیں کسی شاعر سے دلی محبت تھی۔ خاموش گونگی مگر پاتال کی سی گہری محبت۔ لیکن پھر۔ کیا ہوا۔ آگے کسی کو معلوم نہ تھا۔ کون تھا وہ شاعر، اس کا کیا ہوا۔ وہ کہاں تھا۔ اس کی خبر کسی کو نہیں تھی۔ صرف اتنا صوفیہ بیگم کو معلوم تھا کہ ان کی امی کبھی کبھی ایک گہری آہ بھر کر گم ہو جاتی تھیں۔ جیسے جسم کے

کسی چھپے میں کوئی پھانس چبھی ہو اور اچانک ٹیس اٹھی ہو۔ اور پھر جیسے ہی کسک کی لہر دور ہوتی وہ ہنسنے بولنے لگتی تھیں! یہ کوئی خاص بات نہ تھی۔ ان کی امی سائرہ بیگم اپنے شوہر کی خدمت، بچوں کی محبت اور خدا کی عبادت میں ہر طرح مگن رہتی تھیں۔ لوگ ان پر رشک کرتے تھے۔ آدمی ہو تو ایسا ہو۔ بے فکر، لاپرواہ۔ چہ غم۔!

انسان کسی کنوئیں سے پچاسوں ڈول پانی نکالتا ہے۔ روز نکالتا ہے اسے کیا پڑی ہے کہ وہ کنوئیں کی تہہ میں اتر کے بھی دیکھے۔ وہاں کیا کیا ہے۔ سنگ ریزہ ہیں کہ موتی! انسان کا دل انسان کا ظاہر بھی تو ایسا ہی ہے۔ لوگوں کو دھوکا دینے والا۔ پیدائش سے لے کے موت تک ازدہد تابہلد۔ کوئی انجانا، پر اسرار، عجیب سا نقاب۔ انسان کے چہرے پر اس کے کردار پر خود اس کے لیے اور سب کے لیے منڈھا رہتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا اس نقاب کے پیچھے کیا ہے؟ آدمی کی ہنسی کیا ہے۔ اس کی خوش طبعی کیا کوئی پردہ تو نہیں ہے غموں کو پوشیدہ رکھنے کا گہرا پردہ۔ انسان جیسے خود اٹھا کر اس کے پیچھے دیکھنا پسند نہیں کرتا!۔

اور بس۔ ایسا ہی ظاہر تھا۔ خوش طبع، بے فکر سائرہ بیگم کا!۔ پھر ایک دن عجیب سا واقعہ ہو گیا! لوگوں کو ہراساں اور خائف و متحیر کر دینے والا انوکھا واقعہ۔

صبح کے ناشتے کے بعد حسب معمول سائرہ بیگم نے اخبار دیکھا۔ اچانک اخبار ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر آ رہا! انھوں نے گہری سانس لی تھی۔ اور کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹیک دیا تھا۔ ہمیشہ متبسم رہنے

والی خاتون کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے! انھوں نے اپنا دل تھام رکھا تھا۔ پھر انھوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ ہمیشہ کے لیے!!۔

کیسا عجیب حادثہ تھا کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ انھیں کیا ہوا تھا۔ بعد از مرگ جب ان کی اچانک موت کا سبب معالج سے پوچھا گیا تو اس نے کہا تھا۔ کوئی اچانک صدمہ ہارٹ فیلیور کا سبب بنا تھا۔

مگر کون سا صدمہ۔؟ یہ کوئی نہ جان سکا!۔

اور کسی کو یقین نہ آیا۔ وہ صحت مند خاتون جسے کوئی بیماری شکست نہ دے سکی تھی۔ جسے کوئی غم متاثر نہ کر سکا تھا۔ دفعتہً کون سے شدید صدمہ سے متاثر ہو کر جان سے گزر گئی تھیں!۔ ان کی موت کا ناگہانی حادثہ بڑے عرصہ تک تحیر خیز و حسرت ناک چرچوں کا باعث بنا رہا۔!

اور ان کی اچانک موت نے صوفیہ بیگم کے اعصاب کو بہت زیادہ متاثر کر دیا تھا۔ انھوں نے موت کی ستمگری اس کا دفعتہً حملہ دیکھا تھا اور ہمیشہ کے لیے زندگی کی ناپائیداری ان کے دل و دماغ پہ نقش ہو کر رہ گئی تھی وہ بے انتہا وہمی اور اختلاجی بن کر رہ گئی تھیں۔!

پھر ان کا بیاہ ہوا۔ وہ بھی گرہستی سے لگیں، ان کے بھی بچے ہوئے انھیں چاہنے والا شوہر، خدمت گزار بچے نصیب ہوئے۔ اس حیثیت سے وہ مطمئن تھیں۔ لیکن بس ایک وہم ان کے ذہن میں ہزار پا کی طرح پنجے گاڑے ہوئے تھا! کہ ایک دن اچانک اور غیر متوقع طور پر اس گھر کا تختہ الٹ جائے گا!۔

بہت زیادہ خوشیاں انھیں ڈراتی تھیں۔ عجیب تماشا تھا کہ انھیں

بہت ہنس مکھ اور قہقہے لگانے والا شوہر ملا تھا۔ بچے بھی ایسے ہی تھے
اب وہ بے چاری اپنے خفقان کا حال کس سے کہتیں۔ سب ان کا
مذاق اُڑاتے، ہنستے، انھیں خبطی بناتے۔ لہٰذا دکھاوے کو اگر
وہ خانہ داری میں مشغول رہتیں اور میاں کے ساتھ ہنستیں۔ بچوں
کے ساتھ کھیل بھی لیتیں مگر ہر وقت ہر لمحہ اچانک موت، ناگہانی
مصیبت، وغیرہ کسی حادثے کے رونما ہونے کا دھڑکا انھیں لگا
رہتا تھا۔ انھوں نے اپنے خیالوں کو ہٹانے اور خود کو بہلانے کے
لیے کیا کیا جتن نہیں کیے۔ بزرگوں کی دعائیں لیں۔ درگاہوں
پر جا کر منتیں مانیں۔ مذہب میں پناہ ڈھونڈی۔ اور خود
پر قطعیں کیں۔ مرنا سب کو ہے۔ چاہے اچانک ہو کر بستر پر
ایڑیاں رگڑ رگڑ کر۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ روح جسم سے جدا
ہوئی اور دنیا والوں سے سارے رشتے ٹوٹ گئے۔ پھر کون
دیکھنے آتا ہے۔ کس پر کیا گزری؟ لیکن انھیں یاد تھا پوری
شدت کے ساتھ یاد تھا جان کی امی کے بعد کنبہ بکھر گیا تھا۔ ابا
ٹوٹ گئے تھے۔ چچا چچی نے الگ گھر لے لیا تھا۔ بڑے بھائی روزی
روٹی کی تلاش میں کہیں اور کے ہو کر رہ گئے تھے بڑی چھوٹی
بہنوں کو ماموں کرم دوسرے عزیزوں نے اپنے بیٹوں سے
شادی کر کے پناہ دے دی تھی! وہ گھر جس کے در و دیوار مسکرایا
کرتے۔ ابا کی موت کے بعد بالکل ویران ہو کر رہ گیا تھا۔ کوئی اس
کا خبر گیراں نہ رہا تھا لہٰذا چچا نے اسے فروخت کر ڈالا تھا۔ حصہ رسد
سب میں تقسیم کر دیا اور خود پاکستان چل دیے تھے۔ اب اس

تین منزلہ شاندار مکان میں لاری اور ٹرک کی مرمت و درستگی کا کارخانہ کھل گیا تھا!!

صوفیہ بیگم کا ابا کی شکستگی کا حال بھی معلوم تھا۔ وہ یک بارگی بوڑھے ہو گئے تھے بس اپنی مرحوم بیوی کے خاص آرام کرسی پر نیم دراز در و دیوار کو گھورا کرتے۔ یہی حال وہ تین ماہ رہا تھا صوفیہ ان کے پاس رہتی تھیں۔ باپ بیٹی ایک دوسرے کے غم کے ساتھی تھے چونکہ وہ غم ایک تھا۔ ایک دن باتوں میں ابا کے منھ سے نکل گیا تھا۔

تمھاری ماں کو ان کی پہلی محبت لے گئی بیٹا!"

کیا مطلب ابا۔!"

اس منحوس اخبار میں ایک شاعر کے انتقال کی خبر چھپی تھی۔!ابا نے بہت کمزور آواز میں بتایا: تمھاری ماں کے سارے رسوم ختم ہو چکے تھے۔ تب میں نے اس اخبار کا شروع سے آخر تک جائزہ لیا تھا۔ آخری صفحہ پر اس شاعر کی رحلت کی خبر تھی۔! وہ اخبار سب سے چھپا کر میں نے جلا دیا تھا اسی شاعر کی پوشیدہ گہری محبت نے تمھاری ماں پر تمھاری اثر کیا تھا بیٹی۔!"

مگر امی تو ساری عمر۔۔۔۔۔ صوفیہ حیرت زدہ تھی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی کمزور دل عورت اتنی مضبوطی سے اپنے احساسات و جذبات پر قابو پائے رکھے۔ ابا یہ تاویل سن کر گہری سانس لیتے ہوئے بولے تھے: یہ کارنامہ صرف اور صرف عورت ہی کا

حصہ ہے بی بی۔ وہ اگر چاہے تو اپنا کوئی شدید جذبہ اپنے کمزور دل کی اتھاہ گہرائیوں میں پوشیدہ رکھ سکتی ہے"
"ابا آپ کو بھی امی کی اس محبت کا پتہ نہ تھا؟"
"کچھ کچھ تھا۔"
"آپ نے کوئی ردعمل نہیں کیا۔؟"
"کیا کرتا؟" وہ حسرت سے مسکرائے: "جب انھوں نے شادی شدہ زندگی کے سارے فرائض نہایت خوش اسلوبی اور وفاداری سے پورے کیے۔ مجھے کبھی کسی شکایت کا موقعہ نہ دیا تو کیا میں اتنی رعایت ان کے ساتھ نہ کرتا کہ انھیں ان کی محبت کے ساتھ جینے دیتا۔ بیٹی، جینے کے بھی بہانے ہوتے ہیں۔ کسی دلچسپی کے بغیر آدمی یہ مستعار زندگی نہیں گزار سکتا۔ کیا انھیں کسی سے محبت کا حق نہ تھا؟ دل پر کسی کا بس نہیں چلتا صوفیہ!۔ دل جو اپنا ہے۔ مگر جب وہ کسی کا ہو جاتا ہے تو اسی سے دشمنی پر کمر بستہ ہو جاتا ہے جس کے سینے میں دھڑکتا ہے۔!"
"ابا۔ آپ کو پھر۔ پتہ کیسے چلا تھا۔!"
ایک مرتبہ یونہی کسی تذکرے پر ان کی زبان سے نکلا تھا۔ وہ کیسی خوش نصیب عورت ہوگی جو اس یگانۂ روزگار شاعر سے وابستہ ہوگی اور پھر انھوں نے ایک گہری سانس لی تھی!۔ بس یہ ان کی آخری رنجیدہ اور حسرت آلود سانس تھی۔ پھر انھوں نے دم واپسیں تک ایسی سانس نہ لی۔ قانع ہو گئیں اپنی تقدیر پر۔ جو چیز ملنے والی نہ ہو۔ اس کی تڑپ بیکار ہوتی ہے۔ ان کی قناعت اور حسرت و حرماں نصیبی پر مجھے ترس آتا تھا بیٹی۔ جیسے میں ان کا مجرم تھا۔ ان کا کوئی حق میں نے چھین

لیا تھا۔ یہ احساس مجھے ہر دم مجرم و نادم رکھتا تھا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ آدمی۔ ان کا آیڈیل انھیں مل سکتا تو میں انھیں آزاد کر دیتا! ان کا آدرش انھیں دلا دیتا۔ کسی کا حق چھیننا کسی کی خوشی اپنے قبضہ میں کرنا بڑا گناہ ہے بیٹی۔ مگر مجھے معلوم تھا کہ اس شاعر کا کنبہ تھا۔ اور شاید اسے اپنی اس زور افتادہ خاموش محبت کا کوئی علم بھی نہ تھا!"

صوفیہ!" پھر ابا نے تاکید کی تھی۔ "اب تمھاری ماں رخصت ہو چکی ہیں مجھے بجدا بڑا اطمینان اور بے حد مسرت ہے کہ شاید۔ آسمانوں پر۔ وہ اپنے محبوب سے مل چکی ہوں گی۔ مگر۔ تم کسی سے یہ باتیں نہ کہنا۔ وعدہ کرو۔! تمھاری ماں بڑی صابر ضابط اور عظیم عورت تھی۔ جو سا ری عمر صورت شمع جلتی پگھلتی رہیں۔ مگر کسی جلن یا تڑپ پر اُف نہ کی۔ محبت آہیں بھرواتی ہے۔ آنسوؤں کا خراج چاہتی ہے۔ رت جگے مانگتی ہے چین و قرار لوٹ لیتی ہے۔ محبت بہت بری چیز ہے! اور وہ تمھاری ماں کو زندگی بھر شکست نہ دے سکی!"

"مم۔ مگر۔ وہ برداشت نہ کر سکیں ابا۔" صوفیہ کے آنسو ٹپکنے لگے "آہ امی کتنی مظلوم تھیں۔ وہ۔ اپنی محبت کے ادائی ہی میں گزر جاتیں تو اچھا تھا محبت جب مر گئی تب وہ بھی مر گئیں۔ انھیں تو اپنے محبوب کی زندگی زندہ رکھے ہوئے تھی بیٹا۔!"

پھر اس راز کے ظاہر کرنے کے بعد ابا بھی بہت عرصہ زندہ نہ رہ سکے مشکل سے انھوں نے آہیں بھرتے روتے سسکتے ڈھائی ماہ گھسیٹے اور پھر وہ اپنے غموں کے ہاتھوں عجیب تماشہ بن کر رہ گئے۔ مرنے سے پہلے انھوں نے اختلال دماغ کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ اپنے مرے ہوئے عزیزوں کو

پکارتے تھے۔ ادھر ادھر بیوی کو دیکھتے۔ ان کے علاج معالجہ اور دل بہلائی کی ساری تدبیریں کی گئیں۔ وہ ناکام ہو گئیں۔ ایک شام وہ سب کو مغموم و سوگوار چھوڑ کر چل بسے۔ اور پھر گھر کا حشر جو ہوا وہ ایسا ہی تھا جیسے کسی شاخ پر بہت سے پرندے بیٹھے چہچہا رہے تھے۔ کسی نے ان پر پتھر پھینکا وہ سب اس طرح اڑ گئے۔ کسی نے تنکے آشیانہ بنایا۔ کسی نے کہیں۔ بھائی الگ جا بسے۔ لڑکیوں کو رشتہ داروں نے چھوٹ لیا۔ صوفیہ کی دور کی خالہ نے اپنے بیٹے کے لیے پسند کر لیا۔ اس طرح ان کی بڑی بہن کو ایک چچی لے کر چلی گئیں۔ اب وہ کہیں ملایا میں تھیں۔ عرصے سے دونوں بہنوں کو ایک دوسرے کی خیریت معلوم نہ ہو سکی تھی! ۔ ایک بڑے بھائی اپنے بیوی بچوں میں مگن تھے۔ کبھی کبھار ادھر آ نکلتے تھے۔ انھیں اپنی سب سے چھوٹی بہن سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا! ۔

یہی حالات تھے۔ جنھوں نے بعد کے اثرات سے ان کو صوفیہ بیگم کے اعصاب پر بڑا ناگوار اور ناقابلِ فراموش بلکہ گہرا اثر چھوڑ ڈالا تھا۔ یوں بھی وہ بہت حساس اور رنجور رہتی تھیں۔ کوئی داغ تو ان کے ذہن سے جلد مٹتا نہ تھا۔ اور اپنی ماں کی عجیب حسرت ناک موت تو کسی صورت سے فراموش کی جانے والی نہ تھی۔ وہ اپنی پوری شدت سے ان کے دماغ میں ابھی تک موجود تھی! ۔

وہ وہمی بھی تھیں۔ انھیں اندیشہ ستاتا تھا۔ انسان کی زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔ کل کلاں کو ان کی آنکھ بند ہو جائے تو پھر اس گھر کا کیا ہو گا ان کے بچے کدھر جائیں گے۔ ابھی لڑکے چھوٹے ہیں۔ اور

عذرا بڑی ہو چکی تھی۔ کم از کم اس کا کوئی بندوبست ہو جاتا۔ پھر جب ان کے وہم نے شدت اختیار کی تب انھوں نے سوچا کہ پیغامبر عورتوں اور مشاطاؤں پر بھروسہ کر کے کوئی ایسا رشتہ منگوایا جائے۔ جو ان کی ٹکر کا اور عذرا کے قابل ہو۔ لیکن ان کے دل میں چھپے وسوسوں اور اندیشوں کا کسی کو کیا پتہ تھا۔ ان کی کوششوں کو صفدر صاحب کم عقلی کہتے تھے اور عذرا تو ماں کو چٹکیوں میں اڑا دیتی تھی!۔

صوفیہ بیگم کا خفقان اتنا ترقی پر ہوتا کہ وہ کم عمر اور ناسمجھ لڑکی سے بھی اس کے بیاہ کے بارے میں باتیں کرنے اور مشورے لینے لگی تھیں۔ یہ نہ سوچتی تھیں کہ اس طرح لڑکی بے باک اور ان سے بے تکلف ہو جائے گی! عذرا اب ماں کو اپنی سہیلی سمجھ کر در پردہ انھیں بیوقوف بنانے اور صاف صاف جواب دینے لگی تھی!۔

"اماں۔ یہ جو آپ میرے پیچھے ہاتھ پاؤں دھو کر پڑی رہتی ہیں تو آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ ابھی آپ خود اتنی کم عمر ہیں کہ مجھے تعجب ہوتا ہے آپ میری والدہ کیونکر بن گئیں۔ آپ کی عمر والی عورتوں کی شادیاں ہوتی رہتی ہیں۔"

"بدتمیز گستاخ۔!"

اماں۔ پلیز! مجھے مہلت دیجئے۔ کم از کم دس سال اور۔!

بڑھی ہو کر سفید سر پر سہرا باندھوگی!"

اماں آپ چھتیس سال کی ہیں مگر آپ کا سر ابھی تک کوئے کے پر کی طرح سفید۔ سوری کوئے کے پر کی طرح کالا ہے۔ پھر میرا سر دس سال میں کیسے سفید ہو جائے گا!"

بہرحال میری بات نہ مانوگی!۔
بالکل نہیں۔! مجھے ابھی آگے پڑھنا ہے!۔
اگلے برس ہی۔ اسے کرلینا۔ اور کیا چاہتی ہو!۔
مجھے ڈاکٹریٹ ضرور کرنی ہے اماں!"

صوفیہ بیگم کا ٹمپریچر ہائی ہونے لگا۔

"مجھے زچ نہ کرو۔ سنا کہ نہیں۔ میں تو تم سے بہت وحشت زدہ رہنے لگی ہوں۔ باوا کی محبت اور بے جا لاڈ کی وجہ سے تم آپے سے باہر ہوگئی ہو۔ اب میں دیکھتی ہوں کہ میں تو میں تم نے انگوٹھے پر مارنا شروع کر دیا ہے۔ تمہارا یہ چلن چھوٹے بھی سیکھ لیں گے۔ اچھی بات ہے۔ آج تمہارے باوا آجائیں تو بتاؤں گی!"

متواتر اس برگزیدہ جانے سے عذرا کا دماغ بھی آپے میں نہ رہ گیا تھا۔ اسے اپنا گھر قفس اور ماں ایک جابر و سخت گیر صیاد معلوم ہونے لگی تھیں!۔ ویسے وہ اپنی ماں کو ستا کر بڑا لطف لیتی تھی۔ ان کا دکھنا ان کا اختلاج عذرا کے لیے محظوظ ہونے کی چیز تھی۔

ویسے نظام، اسما اور عزیز ان کے کہنے کے تھے۔ بہت اچھے بچے تھے۔ ماں سے انھیں محبت تھی۔ اسما تو ماں کی خاص الخاص بچی تھی۔ اسے بہت چاہتی تھیں!۔ کیونکہ وہ بہت چھوٹی عمر کی ہونے کے باوجود ماں کی باتیں ان کے برابر والی سہیلی کی طرح جی لگا کر سنتی تھی اور بزرگوں کی طرح مشورے بھی دیتی تھی!۔

سرما کے دن تھے۔ خاصا دن نکلنے کے باوجود فضا کہر آلود رہتی تھی۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے سورج کی کرنوں نے تمازت کھو دی ہے!۔

اور اس صبح تو گویا شبنم بن کر پھوار جیسی صورت میں یوں فضا میں اڑ رہی تھی کہ زمین نم ہونے لگی تھی۔ عذرا کا کوئی سائسنٹ تھا۔ جلدی جلدی تیار ہو کے وہ گھر سے نکلی۔ ہمیشہ وہ اپنی سہیلی افروزہ کے ساتھ ایک ہی رکشے پر جاتی تھی مگر اس روز وہ تنہا تھی۔ افروزہ اپنے والدین کے ساتھ کسی گاؤں میں تھی کسی عزیز کی موت ہوئی تھی۔ افروزہ کا معہ ماں باپ کے جانا ضروری تھا۔ کالج گھر سے دور تھا۔ تقدیر سے رکشا بھی ایسا ملا تھا کہ بس جُوں کی چال چل رہا تھا۔ عذرا پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ اور رہ رہ کے بڈھے رکشے والے کو ڈانٹ رہی تھی۔

"ایسے ہی مٹھیا پھونس تھے تو سواری لے کے گھر سے نکلے کیوں تھے ایک مجھ سی دبلی لڑکی تم سے گھسیٹی نہیں جاتی۔ اس سے تو اچھا ہے کہ تم اندر بیٹھ جاؤ۔ میں رکشا چلاؤں۔ اچھا یاد رکھنا کرایہ میں چار آنے ضرور تم کو کم دوں گی۔ اگر آج میں وقت پر کالج نہ پہنچی تو پھر تم بھی یاد کرو گے۔ بڑے میاں۔ ہاں!"

بڈھے نے پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر اور پھنکار کر جو بدن کی ساری طاقت صرف کر کے رکشا کھینچا تو ہینڈل اس کے ہاتھ سے چھوٹے گئے۔ وہ لڑھک کر سڑک پر گرا۔ رکشا پھسل کر نیچے چلا گیا۔ اور عذرا نے دو تین چیخیں یوں ماریں کہ آس پاس کے راہ گیر جھپٹ پڑے۔ کسی نے بڈھے کو اٹھایا کسی نے ہینڈل تھام کر سواری قابو میں کی۔ قصہ معمولی تھا۔ راہگیر معاملہ رفع دفع کر کے ادھر ادھر ہو گئے! عذرا رکشے سے کود کر فٹ پاتھ پر کھڑی ہو گئی تھی اور اب غصے اور خوف سے ہانپ رہی تھی۔

بڈھے نے اپنے چیتھڑے ایسے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا: "آؤ بی بی۔ بیٹھ

جاؤ! اب ڈھلان سڑک ہے۔ تیز چلوں گا۔ جلدی سے مدرسہ پہنچا دوں گا!
"ارکی بیٹ سے گر گئے تو جیتے نہ بچو گے!۔ سمجھے!۔ تم اپنا کرایہ لو اور مجھے جلدی سے دوسرا رکشا ٹھہرا دو۔!" وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔ دور دور تک کسی رکشے کا پتہ نہ تھا۔ بڈھا چلا اٹھا۔! "ایک تو آپ نے جلدی چلانے کی مصیبت میں مجھے گرا دیا۔ پیٹھ میں چوٹ لگی ہے۔ دوسرے کرایہ منھ پر مار رہی ہیں۔ چار آنے کم! لائیے دو ہی دیجئے اب میں جاتا ہوں۔ توبہ۔ ایسی سواری کبھی کبھی نہ بٹھائی تھی!"
کاہے کا کرایہ۔ چلتے پھرتے نظر آؤ۔" عذرا کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔" ایک تو پردہ نشین لڑکی کو سڑک پر کھڑا رکھا ہے اور اوپر سے"
اب! ازراہ کرم اس جھگڑے کو ختم کیجئے!" پاس سے کسی نے کہا
عذرا نے رخ موڑ کر دیکھا۔ پچیس چھبیس سال کے لگ بھگ کوئی صاحبزادے تھے۔ گرم سوٹ میں ملبوس، سر پر چمڑے کی ٹوپی۔ شاید پھوار سے بچاؤ کی خاطر۔ چہرہ شریفوں کا سا۔ اوپر کے ہونٹ پر ابابیل ٹائپ کی مونچھیں!۔ اسے اپنے جھگڑے میں مداخلت کرتے دیکھ کر عذرا کا پارہ اور گرم ہوگیا۔ یوں بھی کچھ غصہ ور اور لڑاکا تھی۔ نیلی پیلی آنکھیں کر کے بولی۔

"آپ کون ہیں۔ بیچ میں ٹپک پڑنے کے لیے آپ سے کس نے کہا تھا۔ اپنا راستہ ناپیئے۔ سمجھے کہ نہیں!"
آپ تو اس طرح پیش آرہی ہیں جیسے مجھے جانتی ہی نہیں ہیں۔ واہ — !"
"بی بی میرا کرایہ !" بڈھا منمنایا۔

آپے سے باہر ہو کر عذرا نے کہا۔ "آپ جیسی منحوس صورت کو میں کیوں جاننے لگی۔ ارے۔ کیا پولیس کے ڈنڈے کھا کے دفع ہونے کا ارادہ ہے!"

"محترمہ۔ میں آپ کا پڑوسی ہوں۔! اب آپ نے پہچانا۔" اسد خفیف سا مسکرایا۔ عذرا کی برہمی کا برا نہ مانا۔ "جونیر کالج کی پرنسپل مسز حسن میری امی ہیں۔

کیا اب بھی آپ نے نہیں پہچانا؟۔ مجھے اپنے پرائے سب منصور کہتے ہیں۔ آ!

اچھا۔ چھا۔! ہاں۔" عذرا نے دھیمے پڑ کر کہا۔ "مگر آپ کبھی ادھر دکھائی نہیں دیے!"

"گھر میں؟۔

"ہلو لوگھ!"

"ہفتہ بھر ہی پہلے یہاں آیا ہوں۔ امی پر خفیف سا ہارٹ اٹیک ہوا تو انھوں نے مجھے بلوا بھیجا تھا نینی تال کے کالج میں پڑھتا ہوں۔ امی صحت مند ہو جائیں گی تو پھر چلا جاؤں گا!"

"میرے دو روپے!" بڈھے نے اکا دکا دانت پیس کر کہا۔ "یا تو کالج جانے کی اتنی جلدی تھی کہ مجھے گرا دیا۔ یا اب بکواس ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہی ہے۔ یہی تو آج کل کے لڑکے لڑکیوں کی بڑی بری عادت ہے۔ وہ قہر آلود نظروں سے دونوں کو گھور رہا تھا!۔

مسز حسن کے بیٹے نے پانچ کا ایک نوٹ بڈھے کی طرف بڑھا دیا۔

"میرے پاس باقی تین روپے نہیں ہیں۔" بڑے میاں نے منہ پھلا کر کہا۔ "تین روپے آپ کے گرنے کا انعام ہے۔!"

"ٹھہریے!" عذرا نے خفیف ہو کر کہنا چاہا تھا مگر اتنے میں بڈھے

نے نوٹ لے لیا اور سلام کر کے چلتا بنا! عذرا کو اپنی اہانت کھٹی ہوئی محسوس ہوئی۔ مسز حسن کے لڑکے کو اتنی عنایت کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ اس کا نوٹ اس کے منھ پر دے مارنا چاہتی تھی۔ مگر وہ بڑی مشکل میں تھی۔ اس کے پاس بھی ریزگاری نہ تھی۔ دس کا ایک نوٹ تھا۔ کاپی سے نکال کر وہی نوٹ اس نے اس کی طرف بڑھا دیا۔

رہنے دیجئے! میرے پاس بھی اتفاق سے کھلے نوٹ نہیں ہیں۔"

وہ پھر مسکرایا: "پھر لے لوں گا!۔"

"نہیں" عذرا نے سختی سے کہا "یہ رکھ لیجئے۔ معمولی سی بات ہے۔" لڑکے کا ہاتھ نہیں بڑھا تب عذرا نے نوٹ سڑک پر ڈال دیا اور آگے بڑھ کر ایک رکشا ٹھہرانے لگی جو ادھر سے آتا دکھائی دیا تھا!۔

منصور اسے جاتے دیکھتا رہا۔ رکشا آگے بڑھ گیا۔ اس نے جھک کر نوٹ اٹھایا اور پھر اپنا اسکوٹر اسٹارٹ کر کے رکشے کے پیچھے چل پڑا۔

عذرا کو احساس تھا کہ وہ پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ غصے کے مارے وہ آگ ہوتی رہی۔ مگر سڑک پر ہنگامہ کرنا مناسب نہ تھا!۔ کون باور کرتا کہ خاص کر وہی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس وقت سڑک پر ٹریفک کا اژدہام تھا۔ کئی اسکوٹر، سائیکلیں اور دیگر سواریاں ایک جم غفیر کی صورت میں رواں دواں تھیں۔

کالج کے گیٹ پر اتر کر اس نے دیکھا وہ وہاں نہ تھا!۔ بہر حال عذرا کا موڈ آف ہو گیا۔ اس روز اس کا کوئی پرچہ تھا۔ لیکن ذہنی طور پر وہ اتنی پراگندہ ہو رہی تھی کہ جی لگا کے وہ پرچہ بھی نہ کر سکی! یہ سوچتی رہی اگر اسی بہانے اس لڑکے نے جان پہچان پیدا کرنے

کی کوشش کی تو وہ کسی طور ضبط نہ کر سکے گی۔ وہ سخت روکھی پھیکی لڑکی تھی۔ عشق و محبت کے ننھے سے پودے کو سیراب کر کے تناور درخت بنانے کی صلاحیت اس میں نہ تھی۔ بلکہ اسے ایسے واہیات تعلقات کو آگے بڑھانے کے خیال ہی سے الجھن ہوتی تھی۔!

سردی اپنے شباب پر تھی! رات تھوڑی سی بارش ہوئی تھی جس نے سردی چمکا دی تھی۔ آفتاب کی پھیکی زرد کرنیں در و بام پر کپکپا رہی تھیں۔ اور رات کی نمی دیواروں سے بھاپ بن کر اڑ رہی تھی! دھوپ میں حرارت نہ تھی۔ جیسے سورج بھی کانپ رہا تھا بقول انیسؔ ؎

صبح نکلے تھا کانپتا خورشید!

وہ سب طعام خانے میں اکٹھا تھے۔ ایک گوشے میں بڑی سی انگیٹھی میں نیچے کوئلے سلگ رہے تھے۔ ان کی تیز تپش نے کمرہ کسی قدر گرم کر رکھا تھا! اتوار کا دن تھا۔ چنانچہ سب کو فرصت تھی۔ اتوار کے دن صفدر صاحب کے ہاں ناشتہ دیر سے اور خاصے اہتمام سے ہوا کرتا! ابھی لمبی سی میز پر ماش کی کھچڑی قاب میں رکھی تھی۔ جس سے اٹھتی ہوئی اشتہا انگیز خوشبو اور بھاپ پر صفدر صاحب اپنے ہاتھ سینک رہے تھے! بچے نیچے فرش پر بیٹھے رحمت نانی سے چیزیں لے لے کر میز پر سجا رہے تھے۔ اصفیہ بیگم نے آہنی کلانم سے بڑے بڑے کوئلے نکال کر انگیٹھی میں ڈالے اور ہاتھ دھو کر کرسی پر

آ بیٹھیں! ۔ آج وہ بھی اپنی عادت کے خلاف کچھ تازہ دم اور خوش نظر آ رہی تھی ۔

"کیوں بھئی کریں بسم اللہ!" صفدر صاحب نے پوچھا ۔

رحمت نانی نے دخل دیا: "میاں ۔ ماش کی کھچڑی گرم گرم ہی کھانے کی چیز ہوتی ہے ۔ ٹھنڈی ہو جائے تو نوالے آپس میں گندھ کے رہ جاتے ہیں ۔!"

"نانی ۔ بیگم صاحبہ کی اجازت کے بغیر کیسے شروع کر دوں؟ ۔" صفدر صاحب بڑی بے کسی سے بولے ۔

"ابا پاپڑ ۔!" عزیز بولا ۔

"ابھی تمھارے ابا خدانخواستہ پاپڑ نہیں ہوئے میاں ۔ انھوں نے کہا ۔

عزیز ہنسنے لگا! ۔

"ارے ہاں ۔ ۔!" صوفیہ بیگم نے دفعتہً کچھ یاد کر کے کہا: "میں آپ سے پوچھنا بھول گئی ۔ کچھ بتایا ڈاکٹر تیواری نے اب آپ کا بلڈ پریشر کیسا ہے؟"

"بلڈ پریشر ۔؟" کترا کر شرارت سے صفدر صاحب نے کہا "سچ مچ ۔ وہ تو چیک کرانا مجھے یاد ہی نہ رہا ۔!

"بس یہ لاپرواہی ہے جو مجھے پسند نہیں!" صوفیہ بیگم نے کہا اور غصے سے جلدی جلدی نوالہ گو نکھنے لگیں ۔ جیسا کہ رحمت نانی نے کہا تھا ۔ کھچڑی ٹھنڈی ہونے لگی تھی اور نوالہ گیند بنا جا رہا تھا ۔!

"ڈاکٹر صاحب نے مجھے ایک دوسرا مشورہ دیا تھا ۔!" صفدر صاحب نے کہا ۔ اور اطمینان سے منہ چلانے لگے ۔

صوفیہ بیگم مستفسرانہ انداز میں انھیں دیکھنے لگیں۔ چنانچہ صفدر صاحب نے سنگین چہرہ بنا کر کہا۔

"ڈاکٹر صاحب نے مشورہ دیا تھا کہ آپ خود ایک بلڈ پریشر کی بیٹی خرید لیجئے وہ بازو پر باندھ لیجئے اور پمپ بیگم کے ہاتھ میں دے دیجئے۔ بس وہ آپ کے ساتھ ساتھ لگی رہیں اور منٹ منٹ کا پریشر لیتی رہیں!"

"ہٹیئے!" صوفیہ بیگم تنک اٹھیں۔ بچوں میں ہنسی قہقہوں کا شور ابھرا۔ صفدر صاحب نے بھی ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ صفدر صاحب بیوی کے ڈر کے مارے آپ کا سارا بلڈ خشک ہو گیا ہے اب آپ کی رگوں میں فقط ہوا بھری ہے۔ اس کا پریشر ہونا ہی نہیں!"

"مذاق مت کیجئے" ابکی وہ بھی ہنسنے لگیں "آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ سب کی ذرا سی مزاجی خرابی سے پریشان ہو جاتی ہوں۔ بتایئے سچ سچ۔ آپ کو بلڈ پریشر تو نہیں ہے نا!"

"اس رزق کی قسم۔ بالکل نہیں!" صفدر صاحب نے کہا۔

صوفیہ بیگم کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا۔

"ابا۔ آج کا کیا پروگرام ہے؟" نظام بولا۔ وہ آوٹ ڈور تفریح کا بہت شائق تھا!

"ابا بہت دن سے زو نہیں دیکھا۔ وہاں چلیے۔ سنا ہے کہ سفید شیرنی نے تین بچے دیے ہیں" عزیزہ نے کہا۔ اسے جانوروں سے بڑی دلچسپی تھی۔ گھر میں موٹی تازی دو بلیاں پال رکھی تھیں۔

"ضرور چلتے بھائی۔ مگر۔ وہ آج ایک صاحب نے اپنی بچی کی شادی کا فرنیچر خریدنے کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی ہے" صفدر صاحب نے

کھانا ختم کر کے کافی کا آرڈر دیا پھر واش بیسن میں ہاتھ دھو کر کرسی پر آ بیٹھے: "آج تو میں ذرا مصروف رہوں گا اور نظام ذرا تم سائیکل کے پہیئے چیک کر لینا بیٹا۔ اکثر راستے میں پنکچر ہو جاتا ہے۔"

"ابا آپ ایک اسکوٹر کیوں نہ خرید لیجئے!" اسما بولی۔ وہ سب ناشتے سے فارغ ہو کر کافی کے منتظر تھے! نوکر برتن بڑھا رہا تھا۔

"کتنے کی ملتی ہے؟" صوفیہ بیگم نے پوچھا۔

"ساڑھے چھ آنے کی۔" صفدر صاحب نے سنجیدگی سے جواب دیا: "اگر دوکاندار سے کہوں گا کہ بھیا اتنی مہنگی اسکوٹر خریدنے پر بیوی مارے گی تو وہ شاید ایک آدھ آنہ اور کم کر دے۔!"

"آپ کبھی سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔" بچوں کے ہنس پڑنے پر وہ حسب عادت برا مان گئیں!!

"ارے اسکوٹر کو مارو گولی۔" صفدر صاحب نے کہا: "میں اپنی سائیکل ہی پر کیا برا ہوں۔ جس وقت گھنٹی ٹن ٹناتا ہوا گیٹ سے نکلتا ہوں تو بڑے بڑے موٹر نشین نظریں چرا کر نکل جاتے ہیں۔ آج کل ایک سائیکل بھی کسے نصیب ہوتی ہے؟"

"ابا آپ سچ مچ مذاق نہ کیجئے۔" عذرا بولی "ہمت کر کے ایک لے ہی لیجئے!"

"ہمت تو بہت کرتا ہوں مگر پھر بھی ہمت نہیں پڑتی۔" انھوں نے جواب دیا: "رحمت نانی یہ میری پیالی ذرا پھر سے بھر دینا۔! مگر یہ کیا۔ تم کافی نہیں پی رہیں!؟"

"کافی سے جی نہ بھرے ہے میاں۔" وہ ہنس کر بولیں: "یہ کوئلے پر میری چائے سوندھی سوندھی دم ہووے ہے!۔"

"اچھا اچھا۔"

صوفیہ بیگم جو رخ پھیرے کافی پی رہی تھیں اور معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھیں تو صفدر صاحب چونکے! اور جھٹ ان کے پاس والی کرسی پر جا بیٹھے۔ان کی حرکت اتنی بے ساختہ تھی کہ وہ بے اختیار ہنس دیں۔!

"بولو کیا بات ہے۔تم ہنسیں کیوں۔؟" صفدر صاحب نے پوچھا ان کی دیکھا دیکھی چاروں بچے ماں سے لپٹ گئے!

"امّاں نے چپکے سے گاجر کا حلوہ بنا کے رکھا ہے۔ہاں۔میں سمجھ گیا۔" نظام تالیاں بجاتے ہوئے بولا۔"اب میں جا کے الماریاں دیکھتی ہوں!۔ نہیں نہیں۔کھوے کی ٹکیاں۔!" عزیز الگ ناچنے لگا!۔

"میں بھی سمجھ گیا۔دوپہر کے کھانے میں بریانی پکے گی!" صفدر صاحب بھی بچوں سے کیا کم تھے۔اب یہ حال تھا کہ سب چلا چلا کے گویا پہیلیاں بوجھ رہے تھے۔ادھر صوفیہ بیگم کی ہنسی تیز ہوتی جا رہی تھی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رحمت نانی بھی اپنی نامکمل بتیسی نکال کے سب میں شامل ہوگئیں!۔

"ہائے اللہ میرا پیچھا چھوڑو۔!" صوفیہ بیگم ہنسی سے بے حال ہو کر بولیں "میں نے کچھ پکا کے اور چھپا کے نہیں رکھا۔جاؤ دیکھ لو الماریاں جہاں جی چاہے!"

اللہ قسم؟؟" صفدر صاحب نے کہا۔اور وہ منھ چھپا کے دوہری ہوگئیں تب تو طعام خانے میں ہنسی کا طوفان آ گیا۔

خدا خدا کر کے یہ مجلس ختم ہوئی اور صفدر صاحب اٹھنے لگے "گیارہ بجنے والے ہیں آج تو وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔بیچارے جین صاحب میرے

منتظر ہوں گے!۔ دوپہر کے کھانے پر میرا انتظار نہ کرنا۔ مجھے دیر ہو جائے گی۔ اچھا؟ تم سب کھا لینا۔" ان کے ساتھ سب دالان میں آگئے۔ تب صوفیہ بیگم نے کہا۔

"دیکھیے! میں گھر پر ہمیشہ اکیلے رہتی ہوں۔ آپ سب اپنے اپنے کاموں سے چل دیتے ہیں۔ آج اتوار ہے۔ مگر آج بھی سب پر تول رہے ہیں۔ اگر آپ دن بھر میرے پاس گھر میں رہنے کا اقرار کریں تو میں ایک اچھا سا انعام آپ کو دوں گی۔"

واللہ صفدر صاحب نے آنکھیں نکال کر کہا: "اچھا۔ تم دو مجھے انعام میں جبین صاحب کو فون کر کے وعدہ خلافی کی معافی مانگ لوں گا!"

پہلے معافی مانگ کے آیئے!" وہ کچی گولیاں کھیلے تھوڑی تھیں۔ پندرہ منٹ بعد صفدر صاحب فون پر اپنے دوستوں سے غیر حاضری کی معافی مانگ کے آگئے اور بیوی کے پاس بیٹھ گئے تب کسی خاص انعام کے لالچ اور دیدار کے شوق میں بچے بھی ان کے گرد گھیرا ڈال کے بیٹھ گئے!۔

صفدر صاحب نے کنگلا منہ بنا کے ہاتھ پھیلا دیا۔ صوفیہ بیگم کو پھر ہنسی آگئی۔

"پہلے بتایئے۔ سچ سچ کے۔ اسکوٹر کی کیا قیمت ہے!"

"اماں۔ ہائیں یہ معاملہ آخر کیا ہے۔؟" صفدر صاحب حیران تھے

"اسکوٹر کی قیمت۔۔؟ ارے۔ وہ تو شاید بیس بائیس ہزار ہے۔ اگر تم یہ۔۔۔"!

اگر آپ کو مل جائے قیمت؟" وہ مسکرائیں۔

ادھار۔۔؟

نقد!!

میں تمھارے قربان!" صفدر صاحب نے شاید ان کی بلائیں لینے کا ارادہ کیا تھا کہ وہ ان کے پھیلے ہوئے ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں ابھی آئی" وہ مسکرا کر بولیں "آپ کی تھوڑی سی دیر کی رفاقت مجھے بڑی مہنگی پڑی۔!"

آہا۔ اماں۔ کیا شعر یاد دلا دیا آپ نے" دفعتہً عذرا نے جھوم کر کہا۔

تمنا تری ہم نشینی کی کی ہے
بس اک ساعت مختصر کے لیے!

اتنے میں وہ ہوا کے جھونکے ہی کی طرح واپس آگئیں۔ اور ایک چھوٹی ہوئی تھیلی صفدر صاحب کی گود میں پھینک دی!

"آپ کا انعام۔۔!"

انھوں نے حیرت سے تھیلی کا ڈورا کھینچا اور اسے اپنے سامنے الٹ کر جھٹکا۔ بہت سے نوٹ ایک ڈھیر کی صورت میں ان کے سامنے گر گئے!۔

"یہ کیا۔؟" صفدر صاحب ہکا بکا تھے۔

"اماں آپ اتنی چھپی ساہوکار نکلیں۔ ہمیں تو پتہ ہی نہ تھا" عذرا بولی۔

"اب اسکوٹر آئے گی ابا۔!" عزیز اچھل پڑا۔

"میں بھی چلانا سیکھ لوں گا" نظام فوراً بڑے چھوٹے نوٹ الگ کرنے لگا! اسما اس کی شریک ہو گئی! پتہ چلا پورے ساڑھے بائیس ہزار تھے۔

"پیرا۔ پیرا!" آنکھیں پھاڑ کر اور ہاتھ پھیلا کر صفدر رضا صاحب نے کہا "اتنی رقم۔ تب تم نے کیسے جمع کر لی۔ کہاں سے لائیں؟"

"آپ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے" صوفیہ بیگم نے دانشمندانہ انداز سے کہا۔

"ابا جائیے۔ لے آئیے۔ پلیز۔ ابھی اسی وقت!" نظام میں رہا تھا "ابا لال رنگ کی لائیے گا!" اسماں ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھول گئی۔

"نہیں ابا" فرط مسرت سے بے قابو ہو کر عزیز ان کی گود میں جا بیٹھا "نیلے رنگ کی۔!"

"کالی چمکدار" عذرا بولی۔

"نہیں۔ یوں نہیں" صفدر رضا صاحب نے سنجیدگی سے کہا "میں سب سے مختلف رنگ کی لوں گا۔ ایک پہیہ لال دوسرا نیلا، ہینڈل گلابی پیڈل زرد اور سیٹ کالی۔ اپنی اماں سے کہو کہ مجھے سرخ رنگ کا پتلون قمیص سلوا دیں اور پتلون کے پائنچوں پر بیچ کا ٹانک دیں قمیص کے کالر اور دامن پر کرن لگا دیں۔ بس میں دلہن بن کر رنگ برنگی چتکبری موٹر سائیکل پر بیٹھ کر نکلوں گا تو سارے شہر میں دھوم مچ جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ مجھ پر ٹکٹ لگ جائے۔"

سب ہنس رہے تھے!۔

"میاں پھٹ پھٹی کالی ہی اچھی لگے ہے" رحمت نانی بھی خیر سے اس تذکرے میں دلچسپی لے رہی تھیں۔

"بس بس۔ فیصلہ ہو گیا" صفدر رضا صاحب بنڈل سنبھال کر اٹھ

کھڑے ہوئے۔ "گھر کے بزرگ جو حکم دیں وہی درست۔ کالی بھجٹ پٹی سمجھے!"

رحمت نانی: عزیز بولا: "اسکوٹر کہیے۔ اسکوٹر!"

"میاں اب یہ سوٹر یا سکوٹ ہماری زبان پر چڑھے ہی نہیں ہے۔"

وہ ہنس دیں۔

"دیکھیے۔ کل کسی طرح آجائے۔ کہے دیتی ہوں۔" صوفیہ بیگم نے للکارا

"بے شک بے شک!" صفدر صاحب پیار سے ہنسے۔ "کل نہ آئے گی تو کیا جانتا

نہیں ہوں کہ تم گردن پر چھری چلا دوگی!"

"توبہ۔ کیسی نامبارک بات زبان سے نکالتے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

دفعتہً وہاں ملازم لڑکا آیا۔

"سرکار۔ وہ کوئی صاحب آئے ہیں۔!"

"کوئی صاحب ہیں۔ نام پوچھ کے آؤ!"

ملازم گیا۔ لمحہ بعد پھر واپس آیا۔

"کوئی منصور صاحب ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں کہ عذرا بی بی سے ملنا ہے!"

"اچھا!" صفدر صاحب کی زبان سے نکلا اور اتنا کہہ کر ایک نظر

عذرا پر ڈال کر باہر چلے گئے۔

عذرا کا سارا جسم یکبارگی پسینے میں بھیگ گیا۔ وہ تو اس معمولی

[illegible] ہنس چکی تھی!۔ اب اس کا دل دھڑک رہا تھا اور ہونٹ

خشک ہو گئے تھے۔ نہ جانے وہ ان سے کیا کہے گا۔ کس رنگ میں کہے گا۔

اور پھر ابا کیا سوچیں گے۔ وہ دم بخود بیٹھی ان کے باہر سے آنے

کی منتظر رہی!

آن کی آن میں ہزاروں خیال اس کے صاف شفاف ذہن میں

حشرات الارض کی طرح رینگے اور غائب ہو گئے! مگر وہ ان کے وجود کی تکلیف محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی!۔

کون ہے یہ لڑکا۔ فوراً ہی صوفیہ بیگم نے سوال کیا "تم سے اس کی جان پہچان کیسے ہوئی۔ یہ اتنا دیدہ دلیر کیسے ہے کہ تم سے ملنے گھر پر آگیا؟"

اچھا ہوا گھر پر آگیا" دانت پیس کر عذرا نے کہا "کیا آپ یہ گوارہ کرتیں کہ وہ گھر کے بجائے باہر مجھ سے ملنے کی کوشش کرتا!۔

صوفیہ بیگم کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں "ابھی تم نے زمین سے سر ابھارا ہے اور ابھی سے تمھاری یہ مجال۔؟ اچھا اچھا۔ رہ جاؤ!"

اماں آپ کوئی بات سمجھتی ہیں نہیں!" جھنجھلا کر عذرا نے کہا "کل سے میں سوچ رہی ہوں کہ اصلی بات ——!"

صفدر رضا صاحب باہر سے آئے! عذرا نے سانس روک کر ان کا چہرہ دیکھنا شروع کیا۔

"کون تھا۔؟" تلخ لہجے میں صوفیہ بیگم نے پوچھا۔

ارے وہ تو قصہ ہی عجیب ہے" صفدر رضا صاحب نے باری باری بیٹی اور بیوی کی طرف دیکھ کر کہا "وہ صاحبزادے جو باہر تشریف رکھتے ہیں کبھی کا پانچ روپیہ قرض عذرا کو چکانے آئے ہیں اور۔ وہ۔ بھئی بیگم تم سے بھی کوئی عزیزداری ظاہر کر رہے ہیں تم سے ملنے کے متمنی ہیں۔ میں نے عرض کی کہ۔ ٹھہریئے۔ محترمہ سے پوچھ کے بولتا ہوں۔!"

لیجئے اماں" عذرا ایک تیکھے پن سے ہنس رہی "آپ مجھ پر خفا ہو رہی ہیں اب بتایئے۔ وہ آپ سے ملنے آئے ہیں مجھ سے نہیں!"

وہ بھی بیگم کے چہرے پر ہوائیاں اڑ گئیں کھوکھلی آواز میں عذرا

کو جھڑک کر انھوں نے صفدر صاحب سے پوچھا۔
"میرے عزیزوں میں کوئی منصور نہیں ہے۔ یہ کوئی بدمعاش۔!"
ارے تو جاکے مل لو۔ یا میں اسے یہیں لے آؤں نا۔ پریشانی کی کون سی بات ہے"
صفدر صاحب نے کہا "ہو سکتا ہے کوئی عزیز ہو۔ تم بھول گئی ہو۔!"
آپ بھی چلیئے!" وہ لباس برابر کرتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
آج میں نے خوب ڈٹ کے کھایا ہے اور آج میں دولت مند بھی ہوں۔
لہذا آج میں سرمایہ داروں کی طرح لیٹ کے آرام سے خراٹے لوں گا۔ تم جاؤ میں تو سوتا ہوں" یہ کہہ کر صفدر صاحب اپنی خواب گاہ کی طرف چل دیے!
اب عذرا کی ہمت کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ بولی "چلیے باڈی گارڈ بن کر میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔!"
کچھ بڑبڑاتی اور پریشان سی صوفیہ بیگم باہر کی طرف چلیں۔ عذرا ان کے پیچھے تھے۔ اور سوچ رہی تھی کہ یقیناً وہ زبردستی کا مہمان کچھ رنگ لائے گا!"
صوفیہ بیگم اور عذرا کو دیکھ کر وہ اسٹول سے کھڑا ہو گیا۔ اور جھک کر انھیں سلام کیا۔ سلام کا جواب دے کر انھوں نے تکلفاً کہا۔
"بیٹے میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ اور مجھے کیسے جانتے ہیں!"
وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔ بڑے ادب سے بولا "مجھے آپ نے برسوں بعد دیکھا ہے۔ اس لیے آپ مجھے پہچان نہ سکیں! لیکن تین چار دن قبل محترمہ عذرا سے جو بے ضابطہ سڑک پر تیار حاصل ہوا۔ تب میں نے سوچا کہ یہ تو بالکل

آپ سے مشابہ ہیں۔ پھر میں نے امی سے تذکرہ کیا تھا۔ انھوں نے فوراً آپ
کو پہچان لیا۔!"

عذرا حیرت سے اس کی بکواس سُن رہی تھی۔ ملاقات کا بہانہ کتنا بودا
تھا۔ مگر صوفیہ بیگم سر ہلا رہی تھیں۔ بولیں "تمھاری امی۔ کچھ اتہ پتہ بتاؤ۔
شاید میں انھیں جانتی ہوں۔!"

آپ انھیں اچھی طرح جانتی ہیں۔ وہ آپ کی ہمسائی ہی تو ہیں۔ مسز حسن
وینر کالج کی پرنسپل۔!"

"ارے؟" ایک ہلکی سی چیخ صوفیہ بیگم کے منھ سے نکلی۔ "کیا تم حسن بھائی کے
بیٹے ہو۔ خوب، ثروت باجی تمھاری امی ہیں۔؟ سچ کہو!!"

وہ اب ہنسنے لگا: "بالکل سچ ہے۔ محترمہ۔ آپ اگر امی سے ملیں۔!"

اے لو۔ ملنا کیا۔ وہ یہاں آئی ہیں۔ میں ان کے پاس جاتی ہوں"۔
صوفیہ بیگم بے حد خوش تھیں: "کوئی ہم غیر تھوڑی ہیں۔ حسن بھائی میری والدہ
کے حقیقی چچا زاد بھائی ہیں۔ مگر تم۔ تمھیں میں اتنے لوگوں میں پہلی بار دیکھ
رہی ہوں۔ کہاں تھے۔ کبھی گھر میں دکھائی نہیں دیے!۔ اچھا آؤ۔ اندر چلو
۔ تم کوئی غیر ہو؟"

وہ اسے اپنے ساتھ اندر لائیں: "اپنے بھائی صاحب سے ملو۔! اگر سو گئے
ہوں گے تو ابھی جگا کے لاتی ہوں!"

نہیں نہیں۔ انھیں سونے دیجیے!" وہ ایک کرسی کھینچ کر ٹک گیا۔ "اب
میں آتا ہی رہوں گا۔ پھر مل لوں گا۔ فی الحال تو مجھے آپ سب سے مل کے
بے حد خوشی ہوئی ہے۔!"

اسما۔ بیٹی چائے لے آؤ!" صوفیہ بیگم نے کہا اور پھر اس سے باتیں

کرنے لگیں وہ کہہ رہا تھا "باجی! میں دراصل یہاں رہتا نہیں تھا مگر اب مستقل یہیں آگیا ہوں۔ ڈیڈی دوروں پر رہتے ہیں۔ اور امی چونکہ دل کی مریض ہو گئی ہیں۔ لہذا ڈیڈی نے بلا لیا ہے کہ اعلیٰ تعلیم بہر حال ماں کی خدمت سے زیادہ اہم نہیں ہے۔ اب میں یہیں کے کالج میں داخلہ لے لوں گا

ارے ہاں۔ پچھلے مہینے بے چاری ثروت باجی بڑی پریشان ہو گئی تھیں اللہ نے ان کو دوسری زندگی دی۔ اب کیسی ہیں۔؟ میں نے تو کہا تھا کہ اب آپ یہ خواہ مخواہ کی محنت چھوڑ دیجیے اور گھر پر آرام کیجیے۔ شاید چھٹی پر ہیں۔ کیوں؟"

میں نے پوری چھٹی کرا دی۔!" وہ پھر ہنس پڑا "دراصل امی سے بیکار نہیں بیٹھا جاتا۔ اکیلی بھی ہوتی تھیں۔ اس لیے انھوں نے پڑھانے کا مشغلہ شروع کیا تھا۔ ویسے انھیں کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔!"

"چائے!" اسما چائے لائی! اور منصور کی نظریں اس پر جم گئیں۔

اُف! کتنی پیاری بچی ہے!"

اسما شرما گئی!۔

میری کوئی چھوٹی بہن نہیں ہے" وہ بولا۔ اور پیالی میز پر رکھ کر اسما کا ہاتھ تھام کے اپنی طرف کھینچ لیا "آج تم میری چھوٹی سی پیاری بہن ہو۔ مجھے بھائی جان کہا کرنا۔! میرے گھر آنا۔ میں تمھیں تتلی کے پروں کا البم، تریزر کے سٹ، اور اچھی اچھی کتابیں دوں گا۔ کون سی کلاس میں پڑھتی ہو؟"

"نویں میں!" اسما خوش ہو گئی "مگر۔ آپ۔ اپنی دی ہوئی کتابیں اور البم واپس تو نہیں لے لیں گے؟"

نہیں ہر گز نہیں!" اس نے پیار سے اس کے رخسار چھوئے "جو چیز تمھاری

ہوجائے گی پھر میں اسے واپس کیسے لے سکتی ہوں۔!"
"تو پھر میں آپ کے ہاں ضرور آؤں گی اور آپ کو بھائی جان بھی کہیں گی۔!"

"ہم بھی آپ کے بھائی ہیں جناب!" ایک طرف سے نظام بولا "دوئم عدد یکشنت!"

"ہاں ہاں" وہ احمقوں کی طرح ہنس دیا "پرسوں نرسوں ایک صاحب سے سڑک پر ملاقات ہوگئی تھی۔ انھوں نے ہاتھ دیکھ کر بتایا کہ اب بہت جلد تم کو خوبصورت سی بہن اور ہونہار بھائی ملیں گے۔ اور بھی کوئی سی دل کی مراد پوری ہوجائے گی۔ وہی ہوا۔ کوئی پہونچے ہوئے صاحب تھے وہ —

دیکھیں من کی مراد کب پوری ہوتی ہے!"
"بعض بڑے اللہ والے ہوتے ہیں" صوفیہ بیگم نے عقیدت سے کہا "ان کے منھ کا کہا سچ نکلتا ہے!"
"ہاں باجی۔ شاید!" وہ چائے کی پیالی پر سے نظریں چھپا کر شذرہ انور کو دیکھتا ہوا بولا۔ مگر وہ سلگ اٹھی۔ اس مکار کی ساری باتیں اماں سچ سمجھ رہی تھیں پرانی شناسائی نکال کر آدھمکا ہے۔ ویسے وہ اپنے حسن ماموں اور ثروت آنٹی کو بہت پسند کرتی تھی۔ ان کے ہاں آتی جاتی تھی۔ مگر منصور صاحب کی زیرِ دستی کی تشریف آوری اسے کسی خاص مصیبت کی تمہید لگ رہی تھی!"
کچھ دیر صوفیہ بیگم بیٹھی اس سے باتیں کرتی رہیں۔ پھر انھیں رحمت نانی نے کچن سے آواز دے لی۔ انوار کو ہمیشہ ان کے ہاں کوئی خاص ڈش ملتی تھی لہٰذا صوفیہ بیگم ادھر لپک گئیں۔ اور منصور سے کہتی گئیں وہ ابھی نہ جائے۔!

چنانچہ وہ اطمینان سے بیٹھا رہا۔ نظام اور عزیزا اپنے کمرے صاف کرنے چلے گئے۔ اسما دور بیٹھی بلّی کے ننھے منے بچوں سے کھیل رہی تھی اور ان میں اتنی مگن تھی کہ اس نے نہ تو ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھا نہ کوئی بات سننے کی کوشش کی ۔۔۔!

عذرا اٹھ کر جانے لگی!۔

ایک منٹ ٹھہر جایئے۔ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔!" وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگی؟۔

اس نے جیب سے پانچ روپے نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"کسی کا قرض میں رکھتا نہیں۔ یہ آپ کے پیسے!"

نجانے کیوں وہ اس کی مسلسل مسکراہٹ سے الرجک ہوتی جا رہی تھی!۔ ہنسی کی کوئی بات ہو کہ نہ ہو۔ ہنستا لگتا رہا ہے!۔ عذرا کو سنجیدہ اور موقعہ پر ہنسنے والے پسند تھے۔

اس نے جھکی سے نوٹ پکڑا اور میز پر ڈال دیا۔ پھر سرد لہجے میں بولی"

آپ ہمارے عزیز رشتہ دار ہیں اور اس لحاظ سے آپ کو یہ گوارا نہ ہوگا کہ راستے میں آتے جاتے کوئی میرا پیچھا کرے! آپ شاید اسے برداشت نہ کر سکیں!"

اور ایک اجنبی نگاہ اس پر ڈال کر چلی گئی۔

منصور کا مسکراتا ہوا چہرہ یکبارگی پھیکا پڑ گیا۔ وہ کچھ دیر یونہی کھڑا بے مدعا اس طرف دیکھتا رہا جدھر عذرا گئی تھی۔ پھر اسما سے بولا۔

اچھا۔ بی بی۔ اب میں جا رہا ہوں۔ پھر آؤں گا!"

بھائی جان۔ یہ میری بلی کے بچے تو دیکھتے جایئے۔؟" اسما بولی۔

ہاں، ہاں۔ یہیں سے دیکھ رہا ہوں۔ بہت اچھے لگ رہے ہیں۔"
اسما خوش ہو کر ان کے نام بتانے لگی۔ لیکن وہ کچھ سُن نہ رہا تھا!۔
ویسے بچی کی خوشی کم کرنا نہیں چاہتا تھا پاس آکر اس نے اس کے سر پر ہاتھ
پھیرا اور بولا۔

"میرے پاس آنا اور اپنی چیزیں لے جانا۔ اچھا۔ میں تمہارا انتظار کروں گا
"چلیے۔ میں ابھی چلتی ہوں آپ کے ساتھ!"
"ابھی نہیں۔ امی سے اجازت لے کے آنا۔!"

اور پھر وہ پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور سیٹی سی بجاتا ہوا چلا گیا!
عذرا دالان سے اٹھ کر پچھلے صحن میں آئی۔ یہاں اسما نے رنگ برنگے پھول
لگا رکھے تھے۔ اسے باغبانی سے بہت دلچسپی تھی۔ پھولوں سے اسے بڑی محبت تھی
ایک طرف پڑھنے کا کمرہ تھا جس کے دروازے کے دونوں طرف جوہی اور رات
کی رانی کے جھنڈ تھے۔ ان دونوں پھولوں کی ملی جلی سحر انگیز مہک جب کمرہ میں چکراتی
پھرتی تو عجیب سا پر فسوں ماحول ہو جاتا تھا۔ روز سہ پہر کو اسما کا ایک فرض یہ
بھی تھا کہ جوہی کی کلیاں چن کر اماں کے لیے ہار گوندھ دیتی۔ اماں اپنی اس
بچی سے خوش بھی بہت تھیں۔ ان کا ہر اعلیٰ و ادنیٰ حکم وہ بے چوں و چرا سن لیتی
تھی۔ اس میں مین میخ نکالنا اسے معلوم ہی نہ تھا جبکہ عذرا ہر بات پر وکیل
کی طرح بحث کرنے کھڑی ہو جاتی۔

وہ روز دوپہر کو اگر موقعہ ملتا اسما کی اس جنت میں آکے بیٹھ جاتی۔ اور یہاں
اس کا جی خوب لگتا تھا۔ مگر آج۔ اس کی نظریں سرسبز پودوں، رنگ برنگے پھولوں
اور اڑتی پھرتی خوشنما تیلیوں پر بھٹک رہی تھیں۔! اور یہ اتوار کا دن اسے بیحد
بیزار کن اور اکتا دینے والا لگ رہا تھا!۔

باورچی خانے میں اماں مرغ پلاؤ سے سر مغزنی کرتی ہوئی اپنی پرانی رازدار اور ماں کے زمانے کی خادمہ رحمت نانی سے کہہ رہی تھیں:"ارے ۔میرے سوچنے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں لاکھ کچھ سوچوں۔ اگر باپ بیٹی ایک ہو گئے تو میری ایک نہ چلنے دیں گے ۔ تمہی کہو۔ باپ ہنسی میں اور بیٹی چٹکیوں میں اُڑاتی ہے کہ نہیں نانی! ۔ وہ زمانہ بہت اچھا تھا۔ جب لڑکی پر ماں باپ کا پورا اختیار رہتا تھا۔ جب ان کے منھ میں زبان کا پتہ نہ چلتا تھا۔ ان کے ہاتھ میں اندر باہر کی کوئی کتاب نہیں آتی تھی ۔ انھیں اجڑے عشق و محبت کے افسانے یاد نہ تھے۔ نہ یہ منحوس پارٹی دی تھے نہ گناہ کے کام سکھانے والے سنیما۔ لڑکیاں بھولی بھالی تھیں ۔ انھیں مرد عورت کا فرق معلوم نہ تھا۔ اہ ۔کیا اچھا زمانہ تھا۔ بوا عورت کا کام گرہستی ہے ۔ وہ چاہے علم کا سمندر پی ڈالے ۔ بڑے بڑے عہدے حاصل کرے ۔ مگر اسے میاں کی خدمت کرنی ہی پڑتی ہے ۔ بچوں کو جنم دینا ہی پڑتا ہے ۔ ہے کہ نہیں!"

"ہے بے شک!" رحمت نانی نے مرغ کے ٹکڑے اڑاتے ہوئے سر ہلایا۔

اب اپنی ہی لڑکی کو دیکھ لو" انھوں نے پھر تین ترانی چھیڑی:" باپ کے کہے میں ہو تو ہو۔ میرے کہے کی بالکل نہیں ہے۔ اللہ رکھے ابھی سترہواں ہی چل رہا ہے، مگر قد یوں نکال لیا ہے کہ بیس کی لگتی ہے۔ ہائے نانی ۔ چھ سات پیام ایسے اچھے آئے تھے ۔مگر نہ وہ راضی ہوئی نہ تمھارے سرکار نے کوئی دھیان دیا۔ میں جی مار کے رہ گئی ۔ بوا مجھے ہول ہوتی ہے ۔ انسان کا کیا بھروسہ ہے ۔ فرض کرو کہ کل کلاں کو میں نہ رہوں ۔ یہ گھر بار نہ رہے ۔ تم نے دیکھا ہے کہ امی کا بھرا پرا آنگنا نہ ان کے بعد کیسا اجڑا ہے ۔ آج میری بڑی بہن میرا بڑا بھائی مجھے مڑ کے بھی نہیں پوچھتا : سب اپنی اپنی جگہ مزے میں ہیں اور شاید میری طرح

کوئی پچھلا زمانہ یاد بھی نہ کرتا ہو۔ اور ۔۔۔!"

"تم بھی کاہے کے لیے یاد کرتی ہو بٹیا۔ زمانہ کیا سدا ایک سا ہووے ہے۔" رحمت نانی نے تسلی دی۔ "کس کے ماں باپ ہمیشہ بیٹھے رہوے ہیں۔ اب مولا نے تمھیں بھی تمھارے نصیب کا دیا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرو اور سب کچھ بھول بھال کے میاں ہیں بچوں میں مگن رہو سمجھیں! خوامخواہ دل بھاری کرنے سے کیا فائدہ ہے بیٹی؟"۔

مجھے بڑی لڑکی کی بہت فکر ہے نانی" انھوں نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ "زمانہ اچھا نہیں ہے۔ میں اسے پڑھوانا نہیں چاہتی۔ مگر میری کوئی سنتا نہیں ہے وہ اپنے گھربار کی ہو جاتی تو مجھے کتنا سکون ہوتا"۔ پھر انھوں نے آواز دھیمی کرلی "اب۔ یہ جو لڑکا آیا ہے۔ ارے وہی حسن بھائی کا بڑا لڑکا۔ کتنا اچھا بچہ ہے۔ مجھے بہت پسند ہے۔ اس کے گھر میں ہے کون ثروت باجی ہیں اور حسن بھائی۔ بھائی چھوٹے چھوٹے ہیں بہن ایک نہیں۔ تم بتاؤ۔ عذرا ایسے گھر میں کتنے آرام سے رہے گی۔ اکیا اتنی سی بات اس عقل لڑکی اور اس کے ناسمجھ باپ کی عقل میں نہیں آتی ؟"۔

زمانہ بہت آگے بڑھ گیا ہے بیٹی۔!" رحمت نانی نے کہا" اب میں نے بیوی بلقیس جہاں کے گھر میں دیکھا کہ بیس بیس سال کی موٹی تازی لڑکیاں جگر لڑکیاں انھیں کون کہے۔ عورتیں کہو۔ مطلب یہ کہ گھوڑیوں کی طرحوں کدکڑے لگاتی پھرے ہیں۔ نوج ایسا برا لگے تھا مجھے کہ میں نے تو بیوی بلقیس جہاں سے کہہ دیا۔ یہ آپ کو اچھا لگے ہے بیوی کہ آپ کی نواسیاں پوتیاں بے دوپٹہ کے ذرا دل کا سا منوں بہن کے موٹی ٹانگیں اچھالتی پھرا کرے ہیں۔ تو انھوں نے ڈلارے پوپلا منہ بگاڑ کے کہہ دیا تھا بھی بچیاں ہیں۔ میں نے ان پر نالت بھیجی۔ ابھی بچیاں ہیں تو پھر کب بیاہ ہووے گا۔ کب یہ نامرادیں گھربار سے لگیں گی۔ کب مائیں بنیں گی۔ ہمارا زمانہ یہ تھا کہ ۔ اب دور کاہے کے

لیے جائے۔ میں اپنی کہوں کہ نو سال کی عمر دیں میں تھی تب شادی ہوئی اور اللہ بخشے تمھارے نانا تھے کوئی پندرہ سال کے۔ آہ ہا۔ اب کہاں وہ بات۔ اب تو مار کے پڑھائی نکلی ہے۔ دن دہ دو تک کی پڑھائی برسوں جاری رہو ہے ہے اور عمریں حدیں پھلانگ کے بڑھاپے میں بدل جاویں ہیں۔ نوج۔!"

وہ تو سب ہوا ہو چکا۔ نانی۔ اب کی کہو۔ اب کی "! صوفیہ بیگم نے کہا "تم کو پتہ ہے کہ میں مار کے دیکھی ہوں۔ مجھے کوئی خوشی راس نہیں آتی۔ جب بھی کوئی کھلکھلا کے ہنستا ہے میں سمجھ جاتی ہوں کہ اللہ نہ کرے۔ یہ ہنسی کوئی بھینٹ نہ لے لے۔ اسی لیے تو میں زیادہ ہنستی نہیں۔ اب میں ہوں اپنے خفقان کا کیا علاج کروں۔ مجھے قابل رحم سمجھو۔ اور کچھ ایسی باتیں کرو کہ وہ میرا علاج بن جائیں

اے ہاں۔ یہ صفدر میاں کو بھی سوچنا ہے۔ لڑکی بٹھا لینے کی چیز نہیں" نانی نے کہا "وہ اگر ذرا کڑے ہو کے لڑکی کو مدرسہ جانے سے منع کریں تو نہ جاوے گی۔ ابھی اتنی بے کہے کی نہیں ہوئی ہے!"

نانی۔ تم کو نہیں معلوم۔ وہ بہت بے کہے کی ہے" صوفیہ بیگم نے مایوس لہجے میں کہا "

بھلا اس سے یہ امید ہے کہ پڑھائی ختم کر کے چپ چاپ سہرا بندھوانے پر راضی ہو جائے"

تمھاری باتیں ہوئی" نانی تنک اٹھیں "کوئی رشتہ نظر میں نہیں ہے اور تم سہرا بندھوانے چلی ہو۔

نانی، اگر وہ اتنی خود سری نہ کرے۔ تو میں خورشید باجی سے چپکے سے کہوں وہ بہت اچھی ہیں۔ انھیں خود ایک اچھی لڑکی کی تلاش ہے۔ ابھی جب میں ان کی بیماری میں گئی تھی تو کہہ رہی تھیں کہ میرا اب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ کوئی

سلیقہ مند لڑکی ایسی ملے جو میرا گھر سنبھال سکے۔ میرے بچوں کو ماں بن کے دیکھے تو میں آج اپنے لڑکے کا بیاہ کر دوں!"

"تو پھر تم نے تبھی کیوں نہ اس لڑکے کے لیے کہہ دیا۔!" نانی نے مجسم حیرت بن کر ان کا چہرہ تکنے لگیں۔

"نانی۔ میں قسم سے۔ اس لڑکے کو بھول ہی گئی تھی" صوفیہ بیگم نے بڑے تلق سے کہا " بہت چھوٹا تھا وہ جب اسے دیکھا تھا۔ اب تو وہ مدتوں سے نینی تال میں پڑھ رہا ہے۔ مجھے بالکل دھیان نہ رہا اس کا۔ ورنہ میں ہنستے ہنستے ان سے یہ کہہ دیتی کہ میری عذرا بھی تو آپ ہی کی بچی ہے۔! اب تو خدا معلوم کہ انھیں عذرا کا دھیان بھی ہے کہ نہیں۔ معلوم نہیں!!"

"کہہ کے دیکھتیں تم۔!"

"اب اپنے منھ سے کیا کہوں۔!" وہ کھسیائی سی ہنسی ہنسیں۔

"کبھی ان کی مجازی بہن کے لیے جاؤ تو لڑکی کو ساتھ لیتی جاؤ اور کہہ دو زبانوں باتوں میں کہ مجھے بھی بٹیا کی بڑی فکر ہے۔ شاید ان بیوی کا خیال ادھر پلٹ جاوے"۔ نانی ترکیب بتا کر فخریہ ہنس دیں۔

"ہاں۔ بس، خدا ہی کچھ کرے۔"

جس وقت صفدر صاحب اپنا نیا چمکدار اسکوٹر لے کے گھر میں داخل ہوئے معلوم ہوا کہ جیسے بے موسم کی عید ہو گئی ہو۔! سب بچے بوڑھے اسے گھیر کر کھڑے ہو گئے اور ایک عجوبہ کی طرح اسے گھور گھور کر ادھر ادھر چھو کر دیکھنے لگے!۔

صفدر صاحب نے شرارت سے صوفیہ بیگم کو متوجہ ہو کر بانہ طور پہ جھک کر سلام کیا اور ہاتھ جوڑ کر بولے "حضور کی عنایت ہے"

"اے چلیے ہٹیے۔ آپ کو تو بچوں کے سامنے مجھے شرمندہ کرنے کی عادت پڑ گئی ہے"

وہ شرما کر لال ہو گئیں۔

"سب سے پہلے میرے پیچھے نانی بیٹھیں گی" صفدر صاحب نے کہا۔ "آئیے نانی اماں آپ ہم سنیما دیکھنے چلیں۔

وہ ان کی طرف بڑھے اور بوکھلا کر رحمت نانی اس طرح باورچی خانے کی طرف بھاگی ہیں کہ ان لوگوں سے ہنسی ضبط نہ ہو سکی!

ایک اپنے ذاتی گھر کا بھی مجھے بے حد ارمان ہے" صوفیہ بیگم نے کہا۔ "خدا کرے کہ کوئی ایسا ہی سامان ہو جائے!۔ دوسروں کے ذاتی مکانوں کو دیکھ کر دل للچاتا ہے۔!

زمینیں تو مل ہی رہی ہیں۔ ضرورت صرف روپے کی ہے!" صفدر صاحب نے کہا اور اندر آ کر بیٹھ گئے۔! "تمہارے اس طرح کہنے پر خیال آیا۔ ایک ایجنٹ ایک دفعہ مجھ سے ملا بھی تھا۔ کہہ رہا تھا کہ پچیس ہزار روپے میں دو ہزار گز زمین اچھے محلہ میں الاٹ کروا سکتا ہوں۔ میں نے ٹال دیا۔! جب خریدنا ہی نہیں تھا تو... خواہ مخواہ اس سے سودے بازی کیا کرنا!"

"آپ نے مجھ سے تذکرہ نہیں کیا۔!"

میں بھی بھول ہی گیا تھا" صفدر صاحب نے کہا۔ "اس وقت تمہارے کہنے سے یاد آیا۔

اب کہاں ہے وہ ایجنٹ!۔

کیوں۔۔؟" صفدر صاحب چونکے۔ سچ کہو۔ آخر کتنی جمع جتھا ہے تمہارے پاس!۔"

اب تو سچ مچ کچھ نہیں ہے" وہ ہنس دیں "مگر میں ضرور اپنا چندن ہار اور کنگن بیچ دوں گی۔ زیور کا کیا ہے بھکارہتا ہے۔ آخر کوئی چیز تو اپنی ہو

چاہے دو کمرے اور پھوس کا چھپر سہی۔ اب ہر ماہ بھر مٹھی پانچ سو روپے دیتے ایسی جان نکلتی ہے کہ بس۔"

ایسی عقلمندی نہ کرنا۔" صفدر صاحب نے انھیں گھورا۔" زیور بار بار نہیں بنتا۔ تمھارے سامنے لڑکیاں ہیں۔ اجب خدا کو منظور ہوگا۔ بنا بنایا گھر خرید لیں گے۔ گھر کیا ہزار بارہ سو میں بنتا ہے۔ پورے تین چار لاکھ اس کے لیے الگ رکھنا چاہیئے۔!"

"پریشان مت ہوئیے اماں۔!" عذرا نے کہا۔" بس دو سال میں پی۔ اسے کر کے لیکچرر ہو جاؤں گی۔ پھر انشاء اللہ آپ کو گھر خرید دوں گی!۔

تب تک اللہ چاہے گا تم اپنی گرہستی سے لگ جاؤ گی کہ اماں یاد۔ کو گھر دلانا پھر دگی۔!" صوفیہ بیگم نے کہا گویا درپردہ تنبیہہ کی کہ اسے بھولنا نہیں چاہیئے وہ پرایا دھن ہے۔ عذرا ہنس دی۔

"اس خیال سے باز آئیے اماں۔ مجھے کسی کی گرہستی سے لگنا نہیں ہے۔"

"ارے یہ کیا نامعقول بحث شروع ہوگئی۔" صفدر صاحب نے ناخوشگوار آواز میں کہا۔" نظام کہاں ہے۔ آواز دو اسے۔ اسکوٹر کی خوشی میں صوفیہ بیگم کا منھ تو میٹھا کر دیں۔ بھئی واہ۔ واقعی تم ایسی سلیقہ مند بیوی بھی کبھی نظر سے نہیں گزری۔ میں تو شاید بائیس سو بھی جمع نہ کر سکتا۔ سوچ بھی نہ سکتا کہ دو ہزار میں گھر بھی چلا دوں اور جمع بھی کر دوں۔!"

"اب اللہ کرے کہ زمین مل جائے!" صوفیہ بیگم بولیں۔

ایک بات تمھارے دماغ میں آگئی ہے۔ مشکل ہے کہ نکل سکے۔" صفدر صاحب نے کہا۔ "لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ قیمتی گہنے بیچ کر زمین لینا کہاں کی عقلمندی ہے جبکہ ہم ایک کمرہ تک اس پر نہیں بنوا سکتے۔!

زمین بھاگ کے کہاں جائے گی" بیوی نے ضد کی "آج کل تو زمین کی قیمت روز بڑھ رہی ہے۔ نہ بن سکا کمرہ تو پھر اسے زیادہ دام میں بیچ دیں گے!"

ہاں ابا۔ سچ تو ہے۔ آپ زمین لے تو لیجئے۔ یہ جو ہر ماہ کرایہ جاتا ہے۔ اسی میں آہستہ آہستہ کر کے ہم ایک آدھ کمرہ بنوالیں گے۔ سمجھیں گے کہ کرایہ دے رہے ہیں" عذرا نے ماں کی تائید کی۔ چنانچہ صوفیہ بیگم بھی پُر امید ہو کر شوہر کو تکنے لگیں!۔

میں زیور بیچنا پسند نہیں کرتا۔!" انھوں نے کہا "ویسے کوشش کروں گا کہ کمپنی سے مجھے لون مل سکے!۔

ہاں۔ یہ میری پرانی آرزو ہے۔!" صوفیہ بیگم نے کہا "آپ کی اماں مرحومہ کو بھی کتنا ارمان ہے۔!"

ہاں تھا انھیں بھی ارمان۔ مگر اب مرحومین کی حرماں نصیبی کا تذکرہ کر کے اپنی چھوٹی موٹی مسرتوں میں زہر گھولنا بھی بڑا نفوطی پن ہے" صفدر صاحب نے کہا "اچھا۔ نظام بیٹے۔ تم آگئے!۔ میاں۔ مٹھائی کھانی ہے کہ نہیں؟"

"ہے ابا۔ خوب بہت ساری!" نظام بولا۔

جب سب بیٹھے مٹھائی کھا رہے تھے تب یکایک صفدر صاحب نے پوچھا "ہاں میں یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ وہ اس دن جو صاحبزادے تشریف لائے تھے۔ وہ کون تھے۔ بڑے معقول اور مہذب لگ رہے تھے۔!"

میں بھی آپ سے کہنا بھول گئی تھی" یہ کہہ کر صوفیہ بیگم نے ساری تفصیل سنا دی۔ اور اسی وقت موقعہ غنیمت جان کر عذرا نے بھی اس سے شناسائی اور واقفیت پیدا ہونے کا سانحہ باپ کے گوش گزار کر دیا۔

صفدر صاحب تحیر خیز انداز میں ہنسے "سچ کہتا ہوں کہ میں نے کبھی نہیں

پہچانا۔ بہت چھوٹا تھا، شائد اپنے عزیز کی عمر کا ہو گا جب دیکھا تھا۔ اب تو ماشااللہ خوب ڈیل ڈول نکالا ہے۔ ارے تو پھر۔ اس نے کہا نہیں کہ آیا کرے غالباً تمھارے میکے کے عزیزوں میں ایک ثروت بہن اور ددھیالی رشتہ داروں میں حسن صاحب ہی باقی بچے ہیں۔!"

اور کیا۔ یہی بے چارے آتے جاتے اور پوچھتے ہیں۔ باقی تو سب زندہ مردے ہو گئے میرے حق میں۔!" جل کر صوفیہ بیگم بولیں

مخلص رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھنا چاہیئے" صفدر صاحب بولے "ملنے ملانے سے بہتری راہیں کھلتی ہیں!۔ اور پھر ہم تو بیٹی والے ہیں۔ ہمیں ادھر ادھر بھی نظر رکھنی ہی چاہیئے۔!

یا خدا کدھر سجدہ کروں۔ آپ کو کبھی آج یاد آیا آپ بیٹی والے ہیں" صوفیہ بیگم نے طنزیہ انداز میں ہنس کر کہا۔

"یاد رکھتا ہوں۔ مگر ذقت ذقت سے۔ ہمیشہ نہیں!"

"آج کل ثروت باجی کا جی اچھا نہیں ہے" صوفیہ بیگم نے کہا" میرا ارادہ ہو رہا ہے کہ عذرا کو لے کر مزاج پرسی کے لیے جاؤں۔ آپ اگر کہیئے تو آج ہی شام کو ۔۔۔!"

وہ ہمارے ہمسائے بھی ہیں اور رشتہ دار بھی۔ اس میں مجھ سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب وہ بلائیں یا تمھارا دل چاہے۔ چلی جایا کرو!

ثروت بہن کو کیا ہوا ہے؟"

"ان کے دل میں اکثر تکلیف ہوا کرتی ہے۔ ابھی تو معاملہ کچھ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ تبھی تو ننھی نال سے منصور کو بلوالیا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ اب یہیں پڑھے گا۔ حسن بھائی ہمیشہ باہر رہتے ہیں۔ بچے کسی شمار قطار میں نہیں۔ منصور کی موجودگی

بیں تمھاری بندھی رہے گی!"

"آج کل حسن صاحب یہیں ہیں۔ ابھی پچھلے دن ان سے ملاقات ہوئی تھی بے حد شریف آدمی ہیں!"

"ابا" اسما بول پڑی "انھوں نے تو مجھے بھی بلایا تھا۔ میرے لیے اچھی اچھی چیزیں اکٹھا کر رکھی ہیں۔ میں انھیں بھائی جان کہتی ہوں۔!

اچھا؟" انھوں نے اس کی خاطر بڑے تعجب سے کہا۔ پھر بولے "بھئی۔ مجھے تو وہ لڑکا بہت اچھا لگا ہے۔ کچھ تم نے پوچھا۔ پڑھ کیا رہا ہے۔؟"

کہہ رہا تھا کہ ایل ایل بی کا تیسرا سال ہے۔ اور ایم کام کر چکا ہے" صوفیہ بیگم کا لہجہ فخریہ تھا "آپ کو پتہ نہیں۔ ماشا اللہ چاروں بھائی اچھا پڑھ رہے ہیں۔ سب سے چھوٹا تک میٹرک کر چکا ہے۔!

ہونا ہی چاہیئے" صفدر صاحب نے کہا "حسن صاحب انجینیر ہیں۔ تو دو بھی ایم اے ہیں۔ اولاد تعلیم یافتہ کیسے نہ ہوتی۔! اچھا۔ اب میں ذرا جا رہا ہوں۔ مینیجر صاحب سے ملنا ہے۔ سنا ہے کہ کمپنی میں بھی کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ بینک کا کئی لاکھ کا قرض باقی ہے۔ اور ڈائریکٹر صاحب مسلسل ایک مہینے سے غائب ہیں۔ اگر خدانخواستہ کمپنی میں تالا پڑ گیا تو اپنی ملازمت بھی گئی۔!"

تو پھر کیا ہوگا" حسب عادت صوفیہ بیگم کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

"پھر یہ ہوگا" ہونٹاں چٹخاتے ہوئے دوسری ملازمت ڈھونڈنی پڑے گی" صفدر صاحب نے پر متفکر لہجے میں کہا "سرکاری ملازمت تو ہے نہیں کہ گھر بیٹھے تنخواہ ملتی رہے۔!"

"کیا ڈائریکٹر صاحب قرض لے کے کہیں بھاگ گئے۔؟" عذرا نے پوچھا۔

بھاگ نہیں گئے" صفدر صاحب نے جواب دیا "چھ ماہ قبل فولاد کا کچھ ضروری

سامان خریدنے اور کمپنی کو مزید بڑھانے کے لیے کمپنی ہی کے کاغذات پر قرض لیا تھا۔
وہ کمپنی سرکاری تو ہے نہیں۔ بینک نے کاغذات کی بنیاد پر چار لاکھ روپے اور
ڈرافٹ پر قرض دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ صرف پچیس ہزار ادا ہوئے ہیں اور پانچ ماہ
سے قرض کی کوئی قسط ادا نہیں کی گئی۔ ڈائریکٹر صاحب اپنے منیجر صاحب کو کمپنی
کا ذمہ دار بنا کر کلکتہ تشریف لے گئے تھے! ۔ ایک مہینہ پانچ دن ہو چکے! ۔ ان کا پتہ
نہیں ہے۔ کمپنی کا ایک فورمین ان کے بتائے ہوئے پتہ پر گیا تھا۔ وہ بے نیل و مرام واپس
آ گیا۔ بتائے ہوئے پتہ پر وہ نہیں ملے۔ اور دوسرے لوگوں نے غالباً۔ اس پتہ کے آس
پاس رہنے والوں نے بتایا کہ اس نام و حلیہ کا کوئی آدمی وہاں آیا ہی نہیں تھا!

"ان کے یہاں کے گھر پر بھی تفتیش نہیں ہوئی۔؟" عذرا تعجب سے بولی۔

"یہاں کا گھر وہ دو ماہ قبل ہی فروخت کر چکے تھے۔ اور رنجارہ ہل پر جا کر
رہنے لگے تھے۔ وہاں بذات خود میں گیا تھا۔ مجھے بھی ناکامی ہوئی۔ ؟ اب کمپنی میں
ایک بے چینی سی پھیلی ہے" صفدر صاحب نے کہا "اگر ڈائریکٹر تشریف لے آئے
اور بنک کا قرض ادا کیا تو سمجھو کہ خدا نے بڑی مہربانی کی۔ ورنہ کمپنی میں بینک کا سرکاری
تالا لازماً پڑے گا اور ہم سب ملازمین کے منہ پر بھی!"

وہ ہنستے ہوئے چلے گئے!

"میں نے بڑی ناعاقبت اندیشی کی۔!" صوفیہ بیگم بڑبڑائیں "ان کی محرومی
مجھ سے دیکھی نہ گئی۔ میں نے دھرے اٹھائے پیسے انھیں دے دیے۔ اگر خدا
نہ کرے۔ ملازمت پر بن گئی تو پھر کھائیں گے کیا؟ ۔ اب تو میرے پاس پھوٹی کوڑی
بھی نہیں ہے!"

"اماں میں کچھ کہتی ہوں تو آپ میرے پیچھے لٹھ لے کے دوڑتی ہیں" عذرا بولی
"مگر مجھے جواب دیجیے کہ آخر آپ اتنی جلدی اوسان کیوں ہار دیتی ہیں۔ کیا آپ

کو خدا پر مطلق بھروسہ نہیں ہے؟ کیا ہمارے ہی ایسے دوسرے انسان ہماری روٹی کے ذمہ دار ہیں۔ ارے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ کمپنی میں فقط ایک ہمارے ابا جان ہی تو نہیں اور بھی کتنی ہی عورتوں کے شوہر اور بچوں کے باپ ہوں گے۔ کچھ خیال ان کا بھی کیجئے۔ آپ کو تو بس اپنی فکر پڑ جاتی ہے۔ دوسرے جائیں جہنم میں!"

اماں کا ضبط جواب دے گیا۔ کچھ کھسیائی تھیں۔ کچھ غصہ آیا تھا۔ دانت کچکچا کر بولیں۔

"بدتمیز، زبان دراز کہیں کی۔ کوئی اپنی ماں سے یوں ٹراتا ہے۔؟ مجھے اپنی سہیلی سمجھ رکھا ہے کیا۔ لو صاحب، اتنی لمبی تقریر کر دی صاحبزادی نے۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش۔ ابھی کل گھٹنے پر پڑی انگوٹھا چوسا کرتی تھی۔ آج اماں کو سبق دینے چلی ہیں۔ عذرا۔ کہے دیتی ہوں۔ زبان روک کر مجھ سے بات کیا کرو۔ تمھاری یہ عادت نا چھوٹے بھی سیکھ لیں گے۔ ایک دن میں تم گستاخوں کے بیچ تماشہ بن کر رہ جاؤنگی۔ پھر کہہ رہی ہوں۔ تم نے پھر کبھی یوں ٹرٹر کی تو پیٹھ پر کمچیاں اتار دوں گی۔!"

"پیاری اماں۔ برا نہ مانیے" عذرا نے بڑے دلار سے دور بیٹھے بیٹھے کہا: "یہ جو آپ اتنی جلدی گھبرا کے دہموں کے ہمالیے کھڑے کرتی ہیں اور آپ کا سکھ چین حرام ہو جاتا ہے تو میں آپ کو سمجھا رہی تھی کہ ابھی سے گھبرانے اور پیش از مرگ واویلا کرنے سے کیا فائدہ۔ ابھی کوئی مصیبت آ نہیں جاتی۔ جب پڑے گی بھگت لیں گے۔ ابا ابھی جوان ہیں۔ دوسری ملازمت ڈھونڈ لیں گے۔

اری بے شرم" صوفیہ بیگم نے ماتھا پیٹ لیا: "تو آخر کیسی شتر بے مہار ہو گئی ہے۔ بے غیرت۔ باوا کی جوانی کو کیوں ہوس رہی ہے!؟"

"اچھا اماں۔ معاف کر دیجئے۔ اب کبھی ابا میاں کی عمر میں نظر نہیں لگاؤنگی

میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ ابھی ماشاءاللہ ہمارے ابّا جوان ہیں۔ انھیں دوسری ملازمت مل سکتی ہے۔

خوامخواہ ہی صوفیہ بیگم کا پارہ تھرمامیٹر توڑ کے باہر نکل گیا۔ انھوں نے جھک کر جوتی اٹھائی اور عذرا کی طرف پھینک ماری۔ مگر ان کا نشانہ چوک گیا۔ جوتی بلی کے جا لگی جو آنکھیں موندے اطمینان سے اپنے تین بچوں کو نیند کر رہی تھی۔ وہ غرّا کر اُچھلی، اور نانی پر جا پڑی۔ وہ بھی مزے میں بیٹھی پان کھا رہی تھیں۔ انھوں نے ایک چیخ ماری اور پاندان پر اوندھ گئیں۔ آناً فاناً وہاں پخ پخ مچ گئی۔ بچوں کا شور، عذرا کے قہقہے، نانی کی للکار، صوفیہ بیگم کا آتش فشاں غصّہ۔ ایک قیامت سی آ گئی۔ چونکہ اس قیامت کی محرک عذرا تھی۔ لہٰذا اب صوفیہ بیگم تپائی اٹھا کر اس کی طرف جھپٹیں۔

عذرا نے بھاگ کر جان بچائی اور جب صوفیہ بیگم نے شکست قبول کر کے تپائی صحن میں رکھ دی اور خود اس پر بیٹھ کر ہانپنے لگیں تب عذرا نے کہا۔

"اماں۔ یہ میرا قصور نہیں ہے۔ آپ کی اماں نے آپ کی تربیت اچھی کی ہوگی۔!"

"چپ! خاموش، ٹرّی!" وہ گرجیں۔

"اچھا اماں۔!" وہ خاموش ہو کر باہر لان پر نکل گئی۔ صوفیہ بیگم کا غصہ نہ تھما۔ دیر تک چیخا کیں۔ گھوم پھر کے وہ اس مرکز پر آ جاتی تھیں کہ ایسی زبان دراز اور لڑاکا لڑکی کا گزر سسرال میں کیونکر ہوگا۔ ساس کیا کہے گی اور میاں کیا میکے میں نہیں پٹخ جائے گا!؟

نانی اماں ہیں ہاں ملاتی اور عبرتناک قصے سنا سنا کر صوفیہ بیگم کا غصہ دوبالا کرتی رہیں کہ انھوں نے ستّر سال کی لمبی زندگی میں کبھی کاہے کو ایسی بنتر

لڑکی دیکھی تھی۔ یہ سارا فساد کالج میں پڑھنے کا تھا!!۔

پہلی دفعہ عذرا نے ماں کے ساتھ انجینیر رحسن صاحب کے بنگلہ پر قدم رکھے تھے۔ صوفیہ بیگم اسے زبردستی اٹھا کر لائی تھیں۔ اور عذرا دل پر جبر کر کے آئی تھی۔ اسے کسی کے ہاں آنا جانا پسند نہ تھا۔ ایک مرتبہ کسی رشتے کے ماموں کے ہاں چلی گئی تھی۔ ممانی اسے دیکھ کر ریشہ خطمی ہو گئیں۔ اور اسی وقت اپنے لڑکے سے اس کے نکاح پر تیار ہو گئی تھیں۔ صوفیہ بیگم نے بھی آمادگی ظاہر کر دی۔ وہ تو سر سے پیر تک خوش ہو گئیں۔ مگر نجانے کیسے تقدیر یاور ہو گئی تھی کہ عذرا کی نجات ہو گئی ورنہ وہ تو اس لڑکے کے حوالے ہو ہی چکی تھی۔ جو بعد کو ہر قسم کی بازیوں میں ملوث پکڑا گیا تھا۔

اس کمپاؤنڈ میں بھی قدم رکھتے وہ برے برے منھ بنا رہی تھی۔ اور اظہار تموّل و امارت پر ناک بھوں سکوڑ رہی تھی۔ کتنا وسیع کمپاؤنڈ تھا۔ آس پاس ایسے عمدہ عمدہ درخت لان کی رونق بڑھا رہے تھے۔ جو عذرا نے آج تک کہیں نہ دیکھے تھے۔ مخملی سبزہ لہریں لیتا معلوم ہو رہا تھا! ایک طرف بڑے بڑے گلاب کے تختوں پر بہار آئی تھی۔ بڑے سے نیم کے درخت سے قدرتی طور پر ہاتھی کے کان کے پتوں کی منی پلانٹ لہرا رہی تھی۔ ایسی بحیرالعقل چیز تھی کہ بار بار عذرا اسے مڑ کے دیکھا کی۔ سرخ بجری بچھے ہوئے لان کے درمیان سفید چمکیلے پتھروں کی خوشنما روش تھی اور ایسی شفاف کہ کیا مجال وہاں کسی قسم کا سوکھا ہوا پتہ یا تنکا نظر آجائے!۔

اوپر نظر اٹھی تو خوشنما بالکنی سے ٹکرا گئی۔ اس سامنے نیم دائرہ کی شکل کا برآمدہ تھا۔ منڈیر پر رنگ برنگے نازک نازک سے ستون۔ جن پر املی یا نقلی سرسبز عشق پیچاں کی بیلیں چمٹی ہوئی تھیں۔ اور بھی وہاں امارت کے مظاہر تھے عذرا نے سوچا حسن صاحب انجینیر تو ہیں ہی۔ ہو سکتا ہے کسی خاص نقشہ پر اپنا مکان بنوایا ہو۔ اسے اپنا گھر یاد آیا۔ تھا تو وہ بھی معقول۔ مگر اس گھر کا مقابلہ کرنے کی اس کرائے کے گھر میں سکت نہ تھی۔ عذرا نے آہ بھر کر سوچا اماں بے چاری اسی ارمان نو ذاتی گھر کی ہوس میں، آدھی ہوئی جا رہی تھیں۔

دونوں اوپر پہنچے ہی تھے کہ ان سے صفدر صاحب اور بچے بھی آ لیے!۔

انھیں بھی فرصت تھی اور ہمسائے کی خیریت پرسی کے لیے آ گئے تھے۔!

ان سب کی آمد غیر متوقع تھی مگر وہاں کوئی ملازم یا ملازمہ دکھائی نہ دی جو اندر خبر پہونچائے۔ صوفیہ بیگم حسب عادت سہم گئیں۔

"اللہ نہ کرے کہ ثروت باجی کچھ ———!"

"کچھ نہیں!" صفدر صاحب نے بات کاٹ دی "میں دیکھتا ہوں!۔

وہ برآمدے میں پہونچے اور انھیں دکھائی دیا کہ سامنے ہی منصور بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ کتاب ہاتھ سے رکھ کر وہ مسرت آمیز انداز سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"زہے نصیب! آئیے آئیے! کتنی خوشی ہوئی آپ سب کو دیکھ کر۔ آئیے میرے ساتھ۔ میں امی کو آپ کی آمد کی اطلاع دیتا ہوں۔ آجکل ڈیڈی بھی یہیں ہیں!"

اوہ اوہ۔ نہ سلام نہ دعا۔!" صفدر صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اسلام علیکم!" منصور نے ہنس کر کہا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ ان کی طرف

بڑھا دیا۔

منصور!" اندر سے ایک گونج نما بھاری آواز آئی۔

"کیا ڈیڈی!" وہ مسکرایا۔ وہی مسکراہٹ جس سے عذرا کو الرجی تھی "دراصل آج عجیب اتفاق ہوا ہے۔ ہمارے خانساماں کے بیٹے کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ وہ ادھر چلا گیا ہے اور شیشے صاف کرنے والے بچے بھی نہیں آئے!"

"ہائے ہائے میاں۔ پھر تم لوگوں نے ناشتہ وغیرہ بھی کیا ہے کہ نہیں" صوفیہ بیگم نے جلدی سے کہا۔ "جی کہاں کا ناشتہ۔ دس بج چکے ہیں۔ صبح کو ایک ایک کپ کافی پی تھی۔ بس"۔ وہ بولا۔

ان سب کے اندر پہنچنے پر حسن صاحب نے دہاڑتے ہوئے خوش آمدید کہی۔ اور مصافحہ کے بہانے صفدر صاحب کا ہاتھ کندھے سے اتار دیا۔!

"سلام حسن بھائی!" صوفیہ بیگم نے سر پر آنچل اوڑھ کر جھک کے سلام کیا۔

"جیتی رہو۔ خوش رہو۔!" حسن صاحب کا ڈیل ڈول جتنا ہاتھی نما تھا۔ آواز بھی اسی مناسبت سے توپ کی گرج سے مشابہ تھی! اگر کبھی قہقہہ لگاتے تھے تو ایک منٹ تک بازگشت کمرے میں گونجتی رہتی تھی! بچے بڑے سب مسز حسن کے پاس بڑے ہال میں آبیٹھے! وہ تکیوں کے سہارے مسہری پر نیم دراز تھیں! چہرے پر تکان تھی اور بے حد کمزور لگ رہی تھیں؟

"لیجئے امی۔ اب آپ کو آدھی صحت تو ہو ہی جائے گی" منصور بولا "آپ سے سب ملنے آئے ہیں۔ ان سے خوب باتیں کیجئے۔ میں تب تک باورچی خانے کی خبر لیتا ہوں۔ کیوں امی۔ روغنی ٹکیاں پکا لوں!"

تم پکاؤ گے؟" صفدر صاحب نے پوچھا
تھوڑا بہت جانتا ہوں۔ بھائی صاحب!" وہ مسکرایا۔" اور اب تو ناشتے کی طلب شدّت سے محسوس ہو رہی ہے۔ ہوٹل کی چیزیں کسی کو پسند نہیں۔ امی ہوٹل کی چائے تک نہیں پیتیں۔"
تمھاری بھی باتیں میاں" صوفیہ بیگم نے کہا۔" تم بیٹھو۔ عذرا اور اسما آدھے گھنٹے میں ناشتہ تیار کر کے لے آئیں گی!"
بھئی میں ان سے ہمیشہ کہتا رہا ہوں کہ ماں باپ کے لیے ایک لڑکی بے حد ضروری ہے۔" حسن صاحب نے کہا۔" مگر انھوں نے میری بات پر کان نہ دھرا اب بھلا بتاؤ۔ یہ چار لڑکے کسی کام کے ہیں؟۔ صبح سے ایک لقمہ تک روٹی کا پیٹ میں نہیں پڑا۔"
عذرا دل ہی دل میں آگ بگولہ ہو رہی تھی۔ اب یہاں چولھا جھونکنا پڑے گا۔ اماں تو ہر جگہ خلوص بگھارنے بیٹھ جاتی ہیں۔
پھر یہ ہوا کہ وہ سب بڑے تو آپس میں باتیں کرنے بیٹھ گئے! اور منصور نے مسکرا کر لڑکیوں سے کہا:
" آیئے۔ آپ کو کچن دکھاؤں۔!"
دل پر لوٹتے ہوئے اژدھوں کو بمشکل بہلا پھسلا کر عذرا اور اسما منصور کے ساتھ کچن میں آئیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دو نئی ملازمہ عورتوں کو گھر کا مالک کچن کا انتظام سنبھالنے کے لیے لا رہا ہے۔ اسما کو تو کچھ احساس نہ تھا۔ وہ چہک رہی تھی!
" آپ نے نہ تو البم دیا نہ کتابیں دیں۔ آپ تو پھر ہمارے ہاں آئے ہی نہیں!"

تصور آپ کا ہے اسما بی بی" وہ مسکرایا "میں نے کہا تھا کہ آپ اپنی چیزیں آگے لے جائیے۔ آپ تشریف ہی نہیں لائیں!"

اب تو آئی ہوں!" وہ ہنسنے لگی۔

اب آپ اپنی چیزیں ساتھ لے جائیے۔!"

"ہم۔ مگر!" اسما نے کہا "آپ میرے لیے یہ چیزیں لائے کیسے۔ آپ کو کیا معلوم تھا کہ میں یہاں ہوں۔ بتائیے۔!

مجھے معلوم تھا۔ میری بہت اچھی بہت پیاری بہن یہاں موجود ہے" وہ مسکرا کر بولا "بس میں وہ چیزیں لے آیا۔!"

کچن کو دیکھ کر لڑکیاں حیران رہ گئیں۔ کتنا وسیع و فراخ، صاف ستھرا اور عمدہ باورچی خانہ تھا۔ ایک پختہ چبوترے پر برابر سے دو گیس کے چولھے رکھے تھے۔ چبوترے کے نیچے خلا میں صاف صاف دو سلنڈر رکھے تھے۔ جن کے گیس پائپ چبوتروں میں بنے حلقوں سے گزر کر اوپر آئے تھے۔

ایک طرف شیشے کی مجلّی دیوار گیر بڑی سی الماری تھی۔ اس میں چمکتی ہوئی بیش قیمت کراکری تھی۔ اور دوسری طرف دیوار میں جڑے چوبی تختے پر سٹیل کے چمکدار برتن رکھے تھے!۔

گوشے میں صاف ستھرا ننھا سا حوض تھا! اور ایک طرف دو نل لگے تھے دوسری طرف داش بیسن۔!

باورچی خانے سے ملحقہ گودام میں ضرورت کا سارا سامان سلیقے سے رکھا ہوا تھا!۔

عذرا نے اپنا تاثر چھپانے کے لیے رخ پھیر لیا۔ وہ تو منصور کی موجودگی اور قرب ہی سے کچھ گھبرا رہی تھی۔ اسما کے لباس سے اتنی حسین مہک پھوٹ

رہی تھی کہ ایک ہیجان سا عذرا کے دل میں مچل رہا تھا۔ وہ اپنی اس کیفیت کو گھبراہٹ کا نام دے رہی تھی۔ مگر اسے احساس تھا کہ یہ صرف گھبراہٹ نہ تھی نہ کچھ اور تھا۔ اور وہ کیا تھا۔ عذرا کو پتہ نہ تھا۔!

اسما بی بی! بس اب جلدی سے بھوکوں کو کچھ کھلا کے ثواب حاصل کرنے کی کوشش کیجئے"۔ وہ بولا "دیکھیں آپ کیسا ناشتہ تیار کرتی ہیں۔!؟۔ اتنا سن لیجئے کہ میں صرف ناشتے ہی میں پورے چھ انڈے اور چار پراٹھے کھاتا ہوں!"

"تبھی اتنے ہاتھی ہو رہے ہو!" عذرا نے جل کر سوچا۔

"اچھا آپ جا کے بیٹھئے"۔ اسما کہنے لگی "میں ابھی ناشتہ تیار کرتی ہوں۔ جب کوئی میرے پاس کھڑا ہو جاتا ہے تو میں کوئی کام نہیں کر سکتی۔ ہول ہول ہونے لگتی ہے مجھے!"

"اچھا اچھا۔ میں جاتا ہوں!" وہ مڑنے لگا!۔

"سنیئے!" دفعتہً عذرا بولی۔ اور وہ یوں اس کی طرف مڑا جیسے اس کے مخاطب کرنے کا منتظر رہا ہو۔

"آپ نے تو مجھے کبھی دیکھا نہ تھا پھر آپ نے مجھے پہچانا کیسے؟ گھر پر کیسے آئے" شک کا شعلہ عذرا کے لہجے میں کانپ رہا تھا!۔

"آپ روز سامنے کی سڑک سے گزرتی تھیں۔ ایک دفعہ امی نے آپ کی نشاندہی کی تھی کہ وہ جو کاسنی لباس میں خوبصورت سی لڑکی ہے۔ وہ صفدر صاحب کی بچی ہے"۔ وہ اب کھل کر مسکرانے لگا۔ "اور یوں بھی آپ میرے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ آپ بہت چھوٹی سی تھیں۔ تب میں نے آپ کو دیکھا تھا۔! غالباً عید بقر عید کا موسم تھا اور آپ لال لال چوڑیاں پہننے کے لیے بری طرح ضد کر رہی تھیں!"

ہائے باجی اب آپ کو چوڑیوں سے کتنی نفرت ہے" اسما نے کہا۔
پھنکار کر عذرا نے کہا "بتایئے۔ آملا اور انڈے وغیرہ کہاں ہیں" اپنی سخت جھنجھلاہٹ محسوس کر رہی تھی۔

ادھر۔ وہاں۔ اس گودام میں" منصور نے اشارہ کیا اور چپ چاپ کمرے سے نکل کر چلا گیا!۔

اکیلے میں اسما نے آنکھیں پھیلائیں "اللہ باجی۔ یہ گھر کتنا اچھا ہے یہ باورچی خانہ ہی کتنا صاف ستھرا ہے۔ اپنے ہاں نور رحمت نانی باورچی خانے کو کچرہ گھر بنائے رکھتی ہیں! میرا تو یہاں سے جانے کا جی ہی نہیں چاہ رہا بھائی جان بھی کتنے اچھے آدمی ہیں اب دیکھیں وہ مجھے کیا کیا دیتے ہیں۔ میرے پاس بے گنتی تصویریں یونہی پڑی ہیں۔ البم بڑا سا راہ ہو تو اچھا ہے۔ ساری تصویریں قرینے سے لگا لوں گی۔!"

اتنی لالچی کیوں ہو گئی ہو۔ تم تو کسی کی دی ہوئی کوئی چیز لیتی نہ تھیں" عذرا نے کہا۔ آملیٹ کے پچھے میں وہ دھنیا کی پتی اور پودینہ کترتی ہوئی بولی۔ بہت جھلائی ہوئی تھی!۔

واہ باجی کسی کی بات اور ہے۔ بھائی جان کی اور" اسما نے جواب دیا۔ "وہ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ ان کی صورت کتنی پیاری ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں۔ ان کی پلکیں کتنی خوبصورت ہیں۔! ہنستے ہیں تو کیسے حسین لگتے ہیں!"

مجھے تو نہیں لگتے حسین وسین" عذرا نے آنچل سے ناک پونچھتے ہوئے کہا "ایسی جھوجھ ایسی مونچھیں ہیں چھی توبہ۔!"

آپ کو مونچھوں سے کیا لینا دینا" بزرگوں کی طرح اسما نے کہا "اچھا

اب تل دیجیے آملیٹ۔ میں جلدی سے ناشتہ لے جاؤں۔ نجانے کتنی بھوک بے چاروں کو لگی ہوگی!۔ توبہ۔ سچی کسی گھر میں لڑکی نہ ہو تو کیسی مصیبت ہو جاتی ہے۔ ہاں۔ سب ابھی تک بھوکے بیٹھے ہیں! ایسا برا معلوم ہو رہا ہے!" وہ بڑی سے ٹرے میں پلیٹیں اور پراٹھے رکھتی گئی اور کہتی گئی "اب میں خود روز اسکول جانے سے پہلے ایک چکر یہاں کا لگا لیا کروں گی۔ کیا پتہ کسی کو چائے کافی ہی کی ضرورت ہو۔ بنا کے دے دیا کروں گی!"

ہائے ہائے تمھیں بڑی محبت ہو گئی ہے ان لوگوں سے!۔ کیا بات ہے۔! عذرا تو اس ماما گیری ہی سے جل جل کے راکھ ہوتی جا رہی تھی۔

"باجی آپ کو معلوم نہیں۔ اماں کہتی ہیں۔ ہمیشہ اپنے پرائے کے کام آیا کرو۔ کون جانے کب کون سی نیکی آڑے آ جائے!"

ضرور کام آیا کرو!" طنزیہ ہنسی ہنس کر عذرا بولی: "مگر ذرا اپنے شرٹ کے دامن پر بھی نظر ڈالو۔ گھی کے دھبے پڑ رہے ہیں!"

یہ تو میرا اپنا بدسلیقہ پن ہے باجی۔ اس میں ان بے چاروں کا کیا قصور!" عذرا حیرت سے چھوٹی بہن کو دیکھنے لگی!۔

ناشتہ تیار ہو چکا تھا۔

اسما ٹرے اٹھا کر نکل گئی۔ اور دھیمی آنچ پر کافی کا پانی رکھ کے عذرا بھی ہاتھ دھو کے اس کے پیچھے چلی گئی!۔

سچ مچ پون گھنٹے میں ناشتہ تیار ہو گیا تھا، حسن صاحب نے بڑی حیرت ظاہر کی۔

قابل تعریف ہیں تمہاری بچیاں صوفیہ!" وہ بولے: "بہت اچھی تر[بیت] تم نے دی ہے۔ واہ سبحان اللہ۔ کیا ذائقہ ہے۔ میرا خانساماں نو بجے کار

ٹما لگتا ہے۔ ! مجھے معلوم ہوتا کہ بچیاں ماشاء اللہ اتنا عمدہ لذیذ ناشتہ تیار کر سکتی ہیں تو میں روز صبح تمہارے ہی گھر آکر ناشتہ کرتا !"

"حسن بھائی گھر آپ کا ہے" صوفیہ بیگم نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اجازت کی کیا بات ہے۔ میں تو کہتی ہوں۔ باجی کا مزاج ناساز ہے۔ تھوڑے دنوں کے لیے آپ سب ہمارے گھر چل کے رہیئے۔ ذرا ماحول بدلے گا معمولات بدلیں گے۔ یہاں آپ سب مریضوں کا کارخانہ ہے۔ ہمارے ہاں چل کے رہیں گی۔ میں اور بچیاں آپ سب کی خدمت کے لیے حاضر رہیں گے۔ کچھ تو روز مرہ کے حالات میں تبدیلی ہوگی !"

"میں تو بی بی۔ سرائے کے مسافر کی طرح گھر میں رہتا ہوں" حسن صاحب نے لذیذ آملیٹ کے لقمے کو جلیبی کی طرح منہ میں رکھتے ہوئے موٹی آواز میں کہا۔ "یعنی یہ کہ ادھر آیا ادھر گیا۔ یہ سب تو اپنی بہن ہی سے کہو۔ وہ تمہارے ہاں چل کر رہیں تو میری طرف سے بالکل اجازت ہے۔ میں تو بارہا ان سے کہہ چکا ہوں کہیں آؤ جاؤ۔ اور یہ سر کھپائی کا کام چھوڑ دو۔ اب دیکھو کہ بستر سنبھال لیا ہے نا۔ !"

"حسن بھائی کا فرمانا بالکل بجا ہے۔ ثروت بہن !" صفدر صاحب نے تائید کی۔ "آپ کو نوکری کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور یہ مرض آپ نے بلایا ہی کیوں ہے ؟"

"کالج میں کام کی زیادتی تھی اور بھیا یہ بات بھی تو ہے نا کہ اب عمر کا بھی تقاضا ہے۔ پچپن سال کی ہو رہی ہوں" مسز حسن نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا کسی مرض کو بلانے کہیں جانا پڑتا ہے۔ اب تو سمجھو صفدر میاں کہ صحت نے وارننگ دے دی ہے۔ مجھے بس یہ آرزو تھی کہ کسی طرح

اللہ کرتا کہ کم سے کم منصور کی شادی تو کر ہی دیتی۔ بہو گھر سنبھال لیتی۔ اور لڑکوں کے کھانے پینے کا انتظام بھی ہو جاتا۔ مگر خدا کو ابھی منظور نہیں ہے شاید!"

صوفیہ بیگم کا دل دھڑکنے لگا۔ خدا کرے کہ یہ عذرا کا نام لے دیں۔ اس کا سلیقہ دیکھ ہی رہی ہیں۔ پسند بھی کرتی ہیں۔

"لڑکی آپ نے کوئی۔ دیکھ رکھی ہے؟" انھوں نے کچھ پھولی پھولی سانسوں میں کہا۔

"دیکھنا کیا۔؟" مسز حسن نے کہا۔ "تم تو شاید میرے چھوٹے بھائی شوکت میاں کو جانتی ہوگی۔"

"جی۔!" صوفیہ بیگم کا دل ڈوب گیا چہرہ اُتر گیا۔

"ان کی چھوٹی لڑکی سے دو سال پہلے منگنی ہوئی تھی۔ بڑی اچھی بڑی پیاری بچی ہے۔" مسز حسن نے بدستور دھیمی آواز میں سلسلۂ کلام جاری رکھا "وہ تو سرکاری کام سے شوکت کو پانچ سال کے لیے امریکہ جانا پڑا۔ ورنہ شادی ہو جاتی!۔ اس کے علاوہ۔ میری بدقسمتی ہے کہ صاحبزادے کو وہ لڑکی پسند نہیں۔ کہتے ہیں دو سال سے مغربی ملک میں رہ رہی ہے۔ بجانے کتنی آزاد خیال، بیباک اور ترقی پسند ہو گئی ہوگی۔ وہ اس ماحول میں کھپ نہ سکے گی۔ میں نے کہا کہ میاں اس کا سدھار تمھارے اختیار میں ہے لیکن یہ ٹس سے مس نہیں ہو رہے ہیں۔ اللہ رکھے۔ اب چھبیواں سال ختم پر ہے۔ ابھی تک تو شادی ہو جانی چاہیے تھی۔ ماں پر ترس نہیں آتا تم ہی کچھ قائل کرو۔ آخر ایک میں اکیلی عورت ذات اتنے بڑے گھر کا کب تک سنبھالا کروں گی۔ کالج میں سر کھپا کے آتی ہوں۔ گھرداری

کرتی ہوں۔ یہ بیماری اس مسلسل تھکن کا نتیجہ ہے۔ اب میرے ساتھ کسی دوسری عورت کی موجودگی ضروری ہے!"

"بے شک بے شک!" حسن صاحب نے کہا، ایک نوپ نما ڈکار لی اور عذرا کی طرف دیکھ کر مسکرائے "بیٹی اب خوب گرم اور لذیذ کافی پلا دو۔ خدا تمھیں سلامت رکھے۔ صاحب نصیب کرے۔ کاش خدا مجھے ایسی بیٹیاں دیتا۔!"

"آپ ہی کی ہیں حسن بھائی!" صوفیہ بیگم نے جلدی سے کہا۔

"بیٹیاں کب کس کی ہوتی ہیں صوفیہ!" حسن صاحب نے کہا صوفیہ بیگم کو ذرا سا غصہ آ گیا۔ آخر کہہ کیوں نہیں دیتے کہ اگر بیٹیاں پیاری لگتی ہیں تو اپنے ہی لڑکوں سے بیاہ لوں گا۔ منصور تو خیر سب بھائیوں سے بڑا تھا۔ لیکن اس سے چھوٹا سرور احمد بھی لگ بھگ بائیس تیئیس سال کا ہو رہا تھا۔ اور ایم کام کر کے رجسٹریشن آفس میں ملازم بھی ہو گیا تھا۔ اچھا خاصہ صحت مند اور مہذب نوجوان تھا۔ کم سے کم اسی کا نام لے دیں!۔

کافی کے دوران میں دیر تک باتیں ہوا کیں۔ پھر منصور اٹھ گیا۔ "آج چند دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ کا پروگرام بنا تھا۔ شام تک واپس آجاؤں گا۔" اس نے چٹکی بجا کر نظام اور عزیز سے کہا۔

"ہری اپ! آپ حضرات کو بھی میرے ساتھ چلنا ہے۔ گھومنا پھرنا اچھا لگتا ہے کہ نہیں؟"

وہ خوش ہو کر کھڑے ہو گئے! "چلیے۔! اپنی کار میں لے چلیے گا۔ بھائی جان بالکل!" وہ مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ "میں کپڑے بدل کر ابھی آیا۔"

"میں بھی کپڑے بدل کے آجاؤں؟" بیچ میں اسما بولی۔

"تم؟" لڑکے اچانک ہنس پڑے۔ "ارے تم اتنے بہت سارے مُردوں میں کہاں جاؤ گی؟"

وہ اتنی شرمندہ ہوئی کہ ماں کی گود میں منہ چھپا کر رو پڑی۔ صوفیہ بیگم اس کے آنسو برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اسے چمکارتی ہوئی بولیں۔

"بیٹی۔ ہم تم کبھی میوزیم دیکھنے چلیں گے۔ اچھا۔ بچیاں لڑکوں کے ساتھ نہیں جاتیں!"

منصور دو منٹ تک کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر مڑ کر چلا گیا۔

صفدر صاحب نے بھی اجازت چاہی۔ مسز حسن نے کہا "صفدر میاں اب تو تم ہمارے گھر کا نقشہ دیکھ چکے ہو۔ کبھی کبھار بیوی اور بچیوں کو بھیج دیا کرنا۔ تم بھی بھیا ایک آدھ چکر لگا لیا کرو۔!"

"ضرور ضرور!" انھوں نے کہا۔ "آپ بالکل مطمئن رہیے۔ انشاءاللہ آپ جلد ہی اچھی ہو جائیں گی۔ آدمی کی طبیعت ذرا سی مضمحل ہو جاتی ہے تو خیالات بھی بیمار ہو جاتے ہیں۔ آپ مایوس نہ ہوں۔ ہر بیماری جانے کے لیے آتی ہے۔

بعض ساتھ لے جانے کے لیے بھی آتی ہے!" وہ افسردہ سی مسکرائیں یہ بچی کیوں سسکیاں لے رہی ہے؟ - ارے کیوں دل دکھایا ہے اس کا۔ کون سی اتنی بڑی ہے۔ لے جاؤ اپنے ساتھ"

صوفیہ بیگم نے ٹال دیا۔ کہاں وہ آٹھ دس مُردوں میں جاتی! پھر وہ سب کبھی دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے واپس ہو گئے۔!

نظام اور عزیز دونوں منصور کے بھائیوں کے ساتھ رہ گئے تھے۔ وہ جلدی جلدی تیار ہو کے کمپاؤنڈ میں آئے۔ اور منصور کا انتظار کرنے لگے۔!!

منصور نے اپنے کمرے میں آکر لباس تبدیل کیا! اور پھر الماری کھول کر ایک بڑا سا خوشنما البم، فریزور کا سیٹ اور کتابوں کا بنڈل نکالا یہ ساری چیزیں ایک خوب صورت باسکٹ میں رکھیں اور باغ کے راستے سے اُتر گئے! ۔صفدر صاحب کے گھر پر آکر دستک دی ۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ صفدر صاحب راستے ہی سے اپنے کسی دوست سے ملنے چلے گئے تھے۔ صوفیہ بیگم کے پاس لائبریری سے نئی کتب آگئی تھیں وہ اپنی خواب گاہ میں چلی گئی تھیں۔ دروازہ عذرا نے کھولا اور منصور کو سامنے دیکھ کر اس کی پلکیں جھپک گئیں۔ کتھئی رنگ کے گرم سوٹ میں وہ کتنا خوبرو اور پرکشش لگ رہا تھا!۔

"آپ ۔؟" بے ساختہ عذرا کی زبان سے نکلا۔

جی ہاں ۔ پھر پہونچ گیا دولت خانے پر" وہ کچھ سر جھکا کر بولا "ذرا اسی سے ملنا چاہتا ہوں!" اور یہ کہہ کر وہ نظروں نظروں سے اس کی بلائیں لینے لگا۔ کتنی خوب صورت ،اور دلکش لڑکی ہے ۔ اتنی جامہ زیب کہ معمولی لباس میں لپٹی کسی ماہر بت تراش کا تراشا ہوا مکمل حسین مجسمہ لگ رہی ہے ۔!

"آیئے ۔ وہ اپنے چمن میں ہے!" عذرا نے پردہ سرکایا اور ایک طرف ہٹ گئی! منصور نے صحن میں آکر بے تکلفی سے اسما کو آواز دی ۔ وہ ایک ہی آواز پر دوڑی آئی! ۔ اپنی خواب گاہ سے صوفیہ بیگم بھی نکلیں۔

"کیوں میاں خیریت ؟" سہم کر انھوں نے پوچھا۔

"آپ بہت جلدی پریشان ہو جاتی ہیں باجی ۔" وہ ہنسنے لگا "میں دراصل

اسما کی اماتنیں پہونچانے آیا تھا۔ بہت دنوں سے ان کا قرض مجھ پر ہے اور اب تو خاص کر میں انھیں لینے آیا ہوں!۔ یہ ہمارے گھر سے لڑتی ہوئی آئی ہیں۔ مجھے یہ گوارا نہیں ہے۔ میں کسی کے آنسو برداشت نہیں کر سکتا۔ باجی۔ میں سب کو مسکراہٹیں بانٹنا چاہتا ہوں اور یہ ننھی سی بچی تو خاص طور سے میری مسکراہٹوں کی مقدار ہے۔ آپ اجازت دیجئے کریں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں۔ تھوڑا سا گھما پھرا کر ابھی واپس لے آؤں گا!"

"یہ سچ مچ؟" اسما ایک تو اتنی ساری چیزیں پا کر بے حال ہوئی جا رہی تھی فرطِ مسرت سے چڑیا کی طرح چہکی۔ منصور نے اس کے گال پر پیار سے ایک انگلی کا خوب صورت تھپیڑ لگایا۔ "فوراً لباس بدل کے آجاؤ!"

"مگر سب بھائی مجھے چڑھائیں گے!" وہ بولی۔

"کوئی بھائی ہمارے ساتھ نہیں جا رہا۔ تمھارے لیے ایک یہی بھائی کافی ہے۔" اسے ہنسی آگئی "وہ سب بیوقوف میرا انتظار کرتے رہ جائیں گے! اور ہم گھوم کر واپس بھی آجائیں گے۔ جلدی کرو۔" اسما خوشی خوشی بھاگ گئی!۔ صوفیہ بیگم نے اطمینان کی سانس لی اور چل دیں۔ منصور نے عذرا کی طرف دیکھا۔ جو بے حد سنجیدہ سی بنی کھڑی تھی۔

"آپ سے کہتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ مگر آپ کا دل چاہے تو آپ بھی چلئے۔ ایک چکر شوپنگ کا لگا کر۔!"

"جی شکریہ۔" وہ چڑھ کر بولی "شوپنگ سنٹر میرے لیے نیا مقام نہیں ہے۔ بہت سے چکر لگا چکی ہوں۔!"

مسکراہٹ اب بھی اس کے لبوں سے جدا نہ ہوئی۔! "آپ مجھ سے بہت

خفا معلوم ہوتی ہیں۔ اگر میں نے کوئی قصور کیا ہے تو براہ کرم بتا دیجئے تاکہ میں معافی مانگ سکوں۔ آپ کی یہ خفگی بڑی الجھنوں میں گرفتار کر رہی ہے۔"

"کون سی بات آپ کو میری خفگی لگ رہی ہے؟" عذرا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"بہت سی باتیں ہیں!" منصور نے کہا۔ "میں آپ کے پاس آتا ہوں مگر آپ مجھے سلام کرنا بھی گوارہ نہیں کرتیں۔ مجھ سے بات کرنا بھی اچھا نہیں لگتا۔ اور میرے پاس بیٹھ کر خیر خیریت پوچھنا تو خیر بہت دور کی چیز ہے۔ آخر میں آپ کا کوئی عزیز ہوتا ہوں۔ اور لوگ تو غیر کا بھی دل رکھ لیتے ہیں اگر آپ کو میرا یہاں آنا ناگوار ہوتا ہو تو میں نہ آیا کروں۔"

"نہیں نہیں!" وہ جلدی سے بولی۔ "آپ ضرور تشریف لائیے۔ آپ کے دوسرے عزیز بھی تو یہاں رہتے ہیں!"

منصور نے شاید سنا نہیں کہ اس نے کیا کہا تھا وہ تو اسے یک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ اپنے لباس میں اچھی تو لگ رہی تھی۔ مگر یہ بکھرے بکھرے بال جو شگفتہ پیشانی کو چومنے کے لیے جھک آئے تھے۔ شاید وہ کچن سے آئی تھی۔ آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ بالائی لب پر ننھے ننھے پسینے کے موتی۔ اور سب سے زیادہ قیامت خیز وہ سیاہ اور دراز بال اور سیاہ آنکھیں جن پر گھنی پلکوں کی جھالر لگی تھی!۔

"میرا دل چاہ رہا تھا کہ آپ بھی میرے ساتھ گھومنے چلیں!" بالآخر منصور نے اپنی محویت سے چونک کر کہا۔ نجانے اس طرح گھورنے پر کیا سمجھے گی؟

"آپ دیکھ نہیں رہے ہیں۔ میں باورچی خانے میں تھی۔ آج نانی کا جی اچھا نہیں ہے۔ سارا کام مجھ پر آ پڑا ہے اور ابا حکم دے گئے ہیں کہ رات کا کھانا مغرب سے پہلے تیار کر کے آپ کے ہاں بھجوا دیا جائے! اب میں آپ

کے ساتھ گھومنے پھرنے جاؤں گی تو ابا کی ڈانٹیں کون سنے گا!؟"

لیکن یہ تو آپ پر ظلم ہے۔" منصور نے کہا: "ابھی ابھی آپ ہمارے یہاں بھی کام کر کے آئی ہیں۔ ابا سے آپ کہہ دیجئے گا کہ ہم ہوٹل سے ۔۔!"

ہوٹل سے بے شک آپ لے آئیں گے۔ مگر ایک تو آپ کی امی کو ہوٹل کا کھانا پسند نہیں۔ دوسرے مجھ پر ابا کا حکم ماننا فرض ہے اب آپ ہی بتایئے میں آپ کا کہا مانوں کہ ابا کا۔!"

"اچھا اچھا۔ یہ بات ہے تو مجھے بڑی خوشی ہے۔ آپ ایک فرمانبردار لڑکی ہیں۔ اب مجھے بھی اطمینان ہو گیا کہ آپ مجھ سے کتراتی نہیں ہیں"

"نہ کتراؤں۔ تب بھی مجھے کسی کے ساتھ گھومنا پھرنا اور بکواس کرنا پسند نہیں ہے۔" یہ کہہ کر وہ پھر کچن کی طرف مڑ گئی! دروازے پر رک کر اس نے پھر منصور کو دیکھا اور اسے بدستور مسکراتے دیکھ کر اپنی خوشنما ناک سکوڑ کر اندر چل دی۔!

پھر وہاں اسما آ گئی۔ اپنے پھولدار نیلے رنگ کے لباس میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ چوڑی دار پاجامہ، خوشنما سبک اور نفیس سا جھالر لگا ہم رنگ سا دوپٹہ اس کا خوب صورت گلابی گلابی چہرہ سیاہ آنکھیں اور مرطوب رسیلے لب۔ اسے حسن کا پیکر بنا رہے تھے!۔

"مغل شہزادی۔!" منصور نے کہا۔ اور اس کا ہاتھ تھام لیا "آؤ چلیں۔!"

عذرا عشق و محبت کے جذبوں سے بالکل نا آشنا تھی۔ لیکن ان جذبوں کے لیے پہلے سے آگاہ ہونا کوئی ضروری نہیں۔ یہ تو اپنا وجود خود منواتے ہیں۔ کبھی سیدھے سادے خیالوں میں بے خیالی کے بھنور پڑتے ہیں۔ کبھی کوئی بات بھول جاتی ہے کبھی دل میں ایک کسک سی ہو جاتی ہے جیسے کوئی پرانی

پھانس چبھ کر رہ جائے۔ کبھی اپنی موجودگی فراموش ہو جاتی ہے۔ اور یہی گھپلے بے خبری میں عذرا سے سرزد ہو رہے تھے!۔

وہ ایک بڑے فرائی پان میں انڈے توڑے جا رہی تھی رحمت نانی جو ایک طرف لیٹی کمر کے درد سے کراہے جا رہی تھیں خاموش نہ رہ سکیں۔ بول پڑیں۔ "کاہے کے لیے اتنے سارے انڈے کڑھائی میں توڑے جاتی ہو؟ کیا کرنا ہے ان کا؟"

خاگینہ" وہ چونک کر بولی "ان کے ہاں۔ رات کا کھانا بھجوانا ہے۔"

"تو بیٹی۔ خاگینہ کے لیے پیاز تو تم نے ابھی کاٹی نہیں۔" نانی نے کہا "اتنی دیر میں یہ انڈے خراب نہ ہو دیں گے؟ کہاں ہو۔ دیکھ رہی ہوں کہ کچھ کرچے جا رہے ہو تم۔"

نانی کے ٹوکنے پر وہ سہم سی گئی۔ اور کڑھائی سامنے سے سرکا کر پیاز کی ٹوکری سامنے کھسکائی۔ کچھ دیر دل لگا کر پیاز کے چھلکے بڑی سلیقہ مندی سے اتارتی رہی پھر خیال بھٹکنے لگے۔

"سچ مچ بڑا اچھا گھر ہے۔ کھلے کھلے روشن دالان، چکردار زینے، بڑے بڑے نقشین دروازے۔ اور وہ خوشنما رنگ برنگے پھول، گھنے گھنے درخت کتنے بہت سارے امرود اور انار لگے تھے۔ بس ایسی جگہ اس بیوقوف اسما کو چھوڑ دیا جائے۔ مگر۔ وہ بے چاری سچ مچ کتنی بیمار لگتی تھیں۔ اُف۔ حسن ماموں کیسے پہاڑ سے ہیں۔ نجانے یہ لوگ کیوں اتنے پہاڑ کے سے ہو جاتے ہیں اور نہ۔ وہ بھی کچھ کم نہیں لگتے۔ ہا۔ کہیں آگے چل کر اپنے ڈیڈی کے سے ہمالیہ نہ ہو جائیں۔ توبہ۔ وہ مسکراہٹ۔ ہُنھ۔ کوئی بات ہنسنے کی ہو نہ ہو۔ آپ ہنسے جا رہے ہیں۔ بے تکی ہنسی! مجھے گھمانے پھرانے لے جا رہے

تھے۔ جیسے کہ میں ان کی طرح بیکار بیٹھی تھی مگر مجھے گھور کیوں رہے تھے۔ نظریں مجھ پر سے ہٹتی ہی نہ تھیں۔ کبھی کوئی لڑکی نہیں دیکھی شاید کہہ رہے تھے۔ خفا تو نہیں ہو۔ مجھ سے کتراتی کیوں ہو۔ کیا مطلب؟ کیا مجھے بھی ان ذاہیات لڑکیوں میں سمجھا ہے۔ جو لڑکوں سے گھل مل کے باتیں کرنے کو بڑا کارنامہ سمجھتی ہیں۔ مجھے باتیں کرنا آتا ہی کہاں ہے۔ جناب۔ آپ میری وجہ سے آتے کیوں ہیں۔ الو بھلا۔ اگر میں کہوں کہ نہ آئیے تو نہ آئیں گے؟ ارے بھائی میں اپنی جگہ بھلی۔ میرا کام میرا پڑھنا لکھنا بھلا۔ مجھے بیکار کی بکواس کی فرصت ہی کہاں ہے۔"

بیٹی تم کو ہو کیا گیا ہے آج۔" نانی اماں چیخ پڑیں۔" ارے کتنے سیر پیاز کاٹ دی بن ناحق کو۔؟"

وہ اچھل پڑی۔ ہوش میں آکر دیکھا کہ کٹی ہوئی پیاز کا ننھا منا سا پہاڑ سامنے کھڑا ہے۔ یکبارگی وہ پسینے پسینے ہوگئی! اور چھری پھینک کر کھڑی ہوگئی۔

حسن صاحب کی چھٹیاں ختم ہوگئیں۔ وہ اپنی ایک رشتہ دار بیوہ بہن کو گھر پر متعین کر کے چلے گئے! اب مسز حسن بھی قدرے ٹھیک تھیں۔ ان کا علاج بڑے اعلیٰ پیمانے پر جاری تھی درا صل ان کی بیماری بھی تھکن اور اعصابی کمزوری کی وجہ سے تھی۔ آرام لینے سے رو بصحت ہونے لگیں۔ لیکن انھیں پختہ یقین تھا کہ یہ خدا نے وارننگ دے دی تھی۔ کوچ کا نقارہ بج چکا ہے۔ اب

چلنے کی تیاری کرلو۔ انھیں اپنے مرنے جینے کی ایسی شدید فکر نہ تھی۔ کون دنیا میں ایسا ہے جسے مرنا نہیں ہے۔ مگر اپنے لڑکوں کو دیکھ کر ان کی مامتا بلک اٹھتی تھی۔ عجیب افراتفری تھی۔ نہ باپ کے پاؤں میں قرار۔ نہ بیٹوں کا کوئی منصوبہ بستا، نہ گھر میں کوئی عورت کہ ایک مرکز بن کر بیٹھ رہے۔ کیا ہوگا ان کی جمی جمائی گرہستی کا حشر؟

ایک دن بوکھلا کر انھوں نے منصور سے کہا "تم اپنے باپ سے کیوں نہیں کہتے۔ ہم سب ایک ہی مرتبہ کے لیے امریکہ چلیں۔ آخر پانچ سال پہلے گئے ہی تھے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہیں تمھاری شادی کرکے واپسی تیں صبا کو اپنے ساتھ لیتی آؤں۔ اس کے رنگ ڈھنگ بھی دیکھ لوں گی اب میں پچھتا رہی ہوں۔ شوکت جب جا رہے تھے تبھی میں نے ان پر زور کیوں نہ دیا کہ لڑکی کا نکاح کرکے جائیں۔ کیا معلوم تھا کہ دو سوا دو سال میں میری گرہستی اتنی بکھر جائے گی!۔ اب تو مجھے بہت پریشانی ہے۔ تم اپنی تعلیم چھوڑ کے آگئے ہو۔ بھلا تمھارا کام میری خدمت ہے؟۔ تمھیں تو تعلیم مکمل کرکے پریکٹس کی فکر کرنی چاہیے تھی کہ تم میرے لیے چائے بناتے ہو۔ پاؤں دباتے ہو۔ ساری ساری رات جاگتے ہو۔ بیٹا۔ تمھاری یہ حالت دیکھ دیکھ کر میرا خون پانی ہوا جاتا ہے۔ آخر یہ کب تک کروگے۔ یہ خدمت تو تمھاری دلھن کے کرنے کی ہے۔ وہی گھر کی بڑی بہو ہوگی اور ساری گرہستی ــــ!"

منصور نے سنجیدگی سے کہا "میرے لیے اس سے بڑھ کر خوش نصیبی اور کیا ہوگی کہ میں آپ کی خدمت کرکے اپنی جنت خرید رہا ہوں آپ میری فکر مت کیجیے۔ آپ اچھی ہو جائیے۔ بس۔ مجھے میری خدمت کا

پھنس ہی جائے گا۔ اندر ابھی۔ شادی وادی کی بات نہ کیجئے امی۔! ڈیڈی کا سے امریکہ جانے کی بات بھی نہ کیجئے گا۔ وہ فوراً تیار ہو جائیں گے۔ مگر مجھے تو امریکہ جانا ہے۔ نہ شوکت ماموں کی لڑکی سے شادی کرنی ہے۔ بس۔!"

مسز حسن کو غصہ آگیا "سمجھ میں نہیں آتا۔ ان کی لڑکی میں کیا کیڑے پڑے ہیں۔ ارے اپنا خون ہے۔ سگی بھانجی۔!"

"آپ کا خیال ہے امریکہ نہ جاؤں اور لڑکی یہاں آ کر مشرقی ماحول میں فٹ ہو سکے گی۔ آپ کی خدمت کرے گی۔ آپ کی گرہستی سنبھالے گی۔ آپ کے بچوں کی نگراں ہو گی۔ نہیں۔ یہ خیال خام ہے امی۔ وہ یہاں آئے گی۔ اور اپنے نامناسب سلوک سے ہم سب کی پرسکون زندگیوں میں زہر گھول دے گی۔ مجھے مغرب زدہ لڑکیاں پسند نہیں۔ وہ کلبوں میں غیر مردوں کے ساتھ مل کے ناچ سکتی ہیں۔ ایک تہذیب پسند گھر میں بیٹھ کر خانہ داری نہیں کر سکتیں۔ یہ میں آپ کو لکھ کر دیئے دیتا ہوں۔ آپ کی جو مرضی ہو وہ کیجئے۔ آپ میری ماں ہیں میری تباہی نہیں چاہیں گی۔ مگر مجھے آپ کی بھانجی دق میں مبتلا کر دے تو پھر پچھتایئے گا نہیں۔"

"تمہارے دشمن مبتلا ہوں دق میں۔!" وہ جلدی سے بولیں پھر انھوں نے آہ بھری: "اچھا مجھے بتاؤ کہ اس افراتفری کا حل کیا ہے۔ تمہارے باپ کے پیروں میں سنیچر ہے۔ وہ گھر پر نہیں ٹک سکتے۔ ادھر تعلیم کے سلسلے میں باہر رہتے ہیں۔ تم یوں گھر میں بیٹھے ہو کر ٹھس گئے ہو۔ میں بیمار رہوں یہ سارا گھر بار اب نوکروں پر چلے گا۔ دیکھا نہیں۔ اس روز نوکر نہیں آئے تو فاقے گزر گئے۔ اللہ بھلا رکھے صوفیہ کو، اس نے مسلسل چار روز کھانا پکا کے بھیجا! مگر ایسا ہمیشہ نہیں ہو سکتا نا؟!"

"امی۔ آپ" منصور نے کچھ خجل ہو کر اور جھجکتے ہوئے کہا۔ "آپ صوفیہ باجی اور ان کی لڑکی سے بخوبی واقف ہیں ۔ آپ ان سے ۔ عذرا کے لیے کیوں نہیں کہتیں۔ وہ لڑکی بہت اچھی ہے۔ بسلیقہ مند، گھریلو سی۔ وہ ہماری خانہ داری بخوبی سنبھال لے جائے گی۔ وہ بھی تو شاید آپ کی بھانجی ہی ہوتی ہے۔ آپ صوفیہ باجی سے کہہ کے تو دیکھئے۔!"

"ان کی بچی بے شک ہزاروں میں ایک ہے" مسز حسن نے جواب دیا۔ "مجھے بھی بہت پسند ہے۔ مگر میں جو شوکت میاں کے وعدے سے بندھی ہوئی جکڑی ہوئی۔ اس کا کیا کروں؟ فرض کرو کہ اگر وہ یہاں آجائیں جو رضیہ بھی تمہارے اندیشوں کے بخلاف مشرقی شرمیلی گریسفل لڑکی نکلی۔ تب۔؟ میں شوکت میاں کو کیا جواب دوں گی؟ وہ گلہ نہ کریں گے کہ خوب آپ نے گلا کاٹا۔ لڑکی کو بھی باندھے رکھا۔ پھر اسے اتنی جلدی دوسرا رشتہ کہاں ملے گا۔ میری سگی بھانجی ہے مجھے اس کا اچھا برا بھی تو سوچنا چاہیئے۔!"

"آپ شوکت ماموں کو ایک خط لکھ کر کیوں نہ انھیں اپنے گھریلو حالات سے آگاہ کر دیجئے۔ اور لکھ دیجئے صاف صاف کہ براہ کرم وہ کوئی رشتہ وہیں تلاش کریں۔ آپ ان کا مزید تین سال اور انتظار نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ آپ کی علالت کی وجہ سے آپ کسی لڑکی کا جلد از جلد بندوبست کرنا چاہتی ہیں۔ دیکھئے تو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ اگر انھوں نے آپ کی مرضی پر صاد کر دیا تو پھر آپ اپنے قول و فعل کی آپ ذمہ دار و مختار ہوں گی۔!"

"جواب میں وہ لڑکی کو لے کر آگئے تب؟" مسز حسن کے اس جواب نے منصور کو پریشان کر دیا۔

"نہیں نہیں۔ خدا نہ کرے کہ وہ یہاں آئیں" منصور نے گھبرا کر کہا۔ "تب

تو میں فوراً منی تال بھاگ جاؤں گا۔ ان کی لڑکی لاکھ مشرقی، ہزار دفعہ سلیقہ مند ہو۔ مجھے اس سے شادی نہیں کرنی ہے!۔

بیٹا پھر دو سال پہلے چپ چاپ منگنی کیوں کر لی تھی؟ تبھی انکار کر دینے اب کیا مجھے خاندان بھر میں بدنام کرنا چاہتے ہو۔ پہلے ہی مجھے تمھاری ممانی پھوٹی آنکھ گوارا نہیں کرتی تھیں۔ سچ پوچھو تو بٹوارہ انہی کی وجہ سے ہوا تھا شوکت میاں نے حق مارا اور اکبا بھی کو حق ناشناس بھی کہا تھا۔ مدتوں ہم میں مخالفت رہی تھی۔ اب لاٹھی مارے پانی جدا نہیں ہوتا۔ میں نے سوچا کہ خاندان میں ایسے جھگڑے اچھے نہیں ہوتے۔ لہٰذا کیوں نہ تمھاری منگنی صبا سے کر کے ان جھگڑوں پر خاک ڈالی جائے۔ سو یہ جو مفاہمت اور صلح صفائی ہوتی ہے۔ یہ تمھارے انکار سے پھر جانی دشمنی میں بدل جائے گی۔! میں یہ نہیں چاہتی!"

منصور کا ہنس مکھ چہرہ سرخ ہو گیا۔ "مجھے معلوم نہ تھا کہ خاندان کے روٹھے دیوتا کو منانے کی خاطر آپ میری بھینٹ چڑھا رہی ہیں۔ ورنہ میں چپ چاپ منگنی ہرگز نہ کرتا۔ اور اب۔ اچھا ہوا کہ آپ نے یہ ساری تفصیل سنا دی۔ امی۔ میں کہے دیتا ہوں کہ چاہے خاندانوں میں خون کی پیاس بڑھ جائے مگر مجھے کسی حال میں آپ کی بھانجی سے شادی نہیں کرنا ہے۔ اب میں شوکت صاحب کو خود ایک خط لکھوں گا!"

ارے بیٹا۔ خدا کے لیے یہ نہ کرنا۔ میں نہیں چاہتی کہ کوئی تمھارا دشمن ہو جائے۔ گھبرا کر مسز حسن نے کہا۔ "تم اقرار کرو کہ انھیں خط وط نہ لکھو گے میں سوچ سمجھ کر خود لکھوں گی۔ اور سارے حالات سے انھیں آگاہ کر دوں گی۔ قسم کھاؤ کہ تم خط نہ لکھو گے۔ دیکھو منصور۔ مجھے بن آئی موت نہ مار ڈالنا

لے بھی اب عجیب ہوں!"

"ارے امی۔ لاحول ولا قوۃ" منصور نے کہا "نہیں لکھوں گا میں۔ مگر آپ یوں مت سوچئے کہ خدانخواستہ اب تپ پر ہو رہی ہوں۔ بیمار خیالات جسم کو بھی بیمار کر دیتے ہیں۔ امی آپ مجھے بہت نادان سمجھتی ہیں۔ حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ ڈیڈی کے بعد آپ کا کہا سب سے زیادہ میں مانتا ہوں!"

"اور کیا۔ تمہارے ڈیڈی ایسے ہی تو میرے کہے کے ہیں" دیر بعد مسز حسن کے پژمردہ چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔!

"میرا دل چاہتا ہے کہ صوفیہ کی دونوں لڑکیاں میرے ہی گھر آئیں۔ ان کی چھوٹی بچی کتنی خوبصورت ہے۔ میں تو اس کی میٹھی آواز ہی سنتی رہ گئی۔ اگر وہ دونوں میرے گھر آجائیں تو میں سمجھوں گی کہ میرا گھر بن گیا۔ مگر شاید منصور ابھی چھوٹی کے لیے راضی نہ ہوں۔ مشکل سے بارہ سال کی بچی

"نسرو کے لیے؟" منصور نے پوچھا۔

"ہاں۔؟"

"ابھی اس کی عمر کیا ہے؟"

"ماشاء اللہ شادی کے قابل ہے۔ بائیس کا ہو چکا۔ روزگار سے لگا ہوا ہے اور کیا چاہیے۔!"

"امی آپ میں مروت اور حجاب اتنا ہے کہ آپ دل کی بات کسی سے کہہ نہیں سکتیں" منصور نے کہا "اگر آپ سچ مچ وہی چاہتی ہیں جو کہہ رہی ہیں تو آپ نے اپنی بہن سے کیوں نہ کہا۔؟"

"کیا کہوں" وہ پھڑک کر بولیں "میں جو حماقت کر کے بیٹھی ہوں۔ پہلے اس کی تلافی تو ہو لے۔ اس کے بعد کہوں گی!۔ اب میں سب سے پہلے شوکت

میاں کو خط لکھ رہی ہوں۔ خدا کرے کہ کوئی اچھی صورت نکل آئے، پھر۔؟"

"میرے پاس ایک ایئر گرام رکھا ہے۔ میں لا کے دیتا ہوں۔" منصور نے اٹھتے ہوئے کہا: "آپ سارے حالات تفصیل سے لکھ دیجئے۔ لیکن میرا مشورہ ہے کہ آپ صفدر صاحب کی لڑکیوں کا قطعی کوئی تذکرہ نہ کریں۔!"

"ارے ہاں میاں اتنی سمجھ مجھ میں بھی ہے۔ عقل سکھانے چلے آئے ہیں۔" بیچاری وہ بُرا مان گئیں۔!

منصور نے ترحم آمیز نظروں سے مسز حسن کو دیکھا۔ اور اپنے کمرے کی طرف چلے گئے! مسز حسن بیٹھی سوچا کیں۔ انھیں خط میں کیا لکھنا ہے کہ بات بھی بن جائے اور بھائی خفا بھی نہ ہوں۔!

۱

عذرا کئی روز سے متواتر دیکھ رہی تھی کہ صفدر صاحب بہت متفکر اور کسی خیال میں غرق رہتے تھے۔ ان کی وہ بذلہ سنجی اور مزاج کی شگفتگی رہ ہی نہ گئی تھی۔ حالانکہ وہ بہت ہنس مکھ اور خوش رہنے والے آدمی تھے۔ عذرا کو یاد تھا کہ چند ہفتوں قبل انھوں نے اپنی کمپنی کے بند ہونے اور ملازمین کی چھٹی یا تعطل کا اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ عذرا کا اندیشہ صحیح ہوتا معلوم ہوتا تھا کیونکہ صفدر صاحب کی خاموشی اور فکر مندی اس کی غماز تھی۔! اسے یہ قلق تھا کہ صوفیہ بیگم اتنی پیش بین اور مضبوط اعصاب کی مالک نہ تھیں کہ شوہر کی پریشانی معلوم کرتیں اور اسے ضبط کر سکتیں یا ان کی مدد کم سے کم ڈھارس بندھا کر ہی کر سکتیں! وہ خود باپ سے کچھ پوچھ نہ سکتی تھی۔ اور پھر وہ بھی تو ان دنوں

گوناگوں الجھنوں اور طرح طرح کے خیالوں کی شکار ہو رہی تھی! - اس کے صاف شفاف دماغ اور بے ریا دل پر عجیب عجیب گمنام سے جذبوں کے سائے پڑنے لگے تھے۔ وہ ان سایوں کو ایک مربوط پیکر میں ڈھالتی اور حیران ہوتی تھی! -

بہت دنوں قبل منصور اپنے ساتھ اسما کو لے گئے تھے - مادیاں سے گھمانے پھرانے کے بہانے اچھی خاصی شوپنگ کرا دی تھی! - کئی ایک قیمتی دلکش پنجابی شلوار سوٹ کے کپڑے اس نے لے دیے تھے - خوبصورت بالیاں خرید دی تھیں - اور پھر ایک نفیس و نازک سا طلائی ہار جس میں دل کی شکل کا ننھا سا جگنو پڑا تھا - تحفتہً عذرا کو بھی بھجوایا تھا -

وہ تقریباً روز آنے لگے تھے کبھی اپنی ان کی خیریت کہنے کبھی ان سب کی خیریت پوچھنے کے بہانے - ایک مرتبہ مسز حسن اپنے بچوں کے ساتھ دو دن یہاں رہ کے گئی تھیں - صفدر صاحب اور صوفیہ بیگم ان کی مہمان داری کر کے بہت خوش ہوئے تھے - مگر عذرا اور اسما کا کچھ مرنکل گیا تھا اسما تو کبھی کبھار کچن میں بھی نکلتی لیکن عذرا کا سارا وقت باورچی خانے ہی میں گزر جاتا - اس نے اندازہ لگایا تھا کہ دو دن تک ان کے ساتھ منصور بھی یہیں رہ گیا تھا - کیا مجال جو ایک پل کے لیے بھی باہر گیا ہو! - وہ بڑے سادہ انداز میں کچن میں بھی چلا آتا -

"لائیے - میں بھی کچھ آپ کا ہاتھ بٹاؤں - ! شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ میں چلنے کافی بہت خود بناتا ہوں اور جب کبھی دھوئی ماش کی دال میں نے پکائی - سب انگلیاں چاٹتے رہ گئے - !"

چاٹنا ہی پڑا ہوگا "عذرا کو ہنسی آ گئی - لمبی جیسی انگلیوں میں لپیٹ

کر رہ جاتی ہوگی: "آپ کو کام کرتے دیکھ کر بڑا دکھ ہو رہا ہے مجھے" منصور نے کہا: "خواہ مخواہ ہم لوگ آپ پر مسلط ہو گئے۔ آپ نے کارنج کا ناغہ بھی کر رکھا ہے۔ معلوم نہیں دل ہی دل میں آپ ہم سب کو کتنا برا بھلا کہہ رہی ہوں گی!"

جی نہیں۔ میں دل ہی دل میں کچھ کہہ کے گناہ گار نہیں بنتی۔ جو کچھ مجھے کہنا ہوتا ہے سب صاف صاف کہتی ہوں۔!"

کسی کے برا ماننے کا خیال بھی نہیں کرتیں!؟"

کہنے والے کو خیال رکھنا چاہیئے کہ اسے کوئی ناگوار جواب تو نہیں سننا پڑے گا!۔

پھر تو آپ بہت صاف گو ہیں۔ ایسے لوگ مجھے بہت پسند ہیں!۔

شکریہ۔! مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے۔

ایک نہیں ایک ہزار پوچھیئے!۔

ایک ہزار ہی کی ہے!۔

فرمایئے!۔

"یہ کیا۔ فرمایئے۔ کہیئے، آپ۔ داب کا جھنجھٹ" عذرا نے تیکھی ہو کر کہا مجھے یہ خواہ مخواہ کی منافقت اچھی نہیں لگتی۔ آپ نے سنا!۔

مم۔ مگر۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!۔

مجھے اتنے ادب۔ ایسی تعظیم سے کیوں مخاطب کرتے ہیں آپ!۔

نہ کروں؟"!

نہ نہ۔!"

مگر آپ بھی تو اس قسم کا تکلف روا رکھتی ہیں۔

ہائے آپ کی عقل۔ ارے! وہ تو ضروری ہے۔ آپ مجھ سے بڑے ہیں۔
میں لاکھ بار بھی آپ کو تم کہہ کر مخاطب نہیں کر سکتی! زبان ہی نہ اٹھے گی!"
"میری بھی زبان نہیں اٹھتی۔"
"کیوں۔؟"
"کیونکہ اگر کوئی مجھ سے پوچھ لے کہ تم اتنی بے تکلفی سے انھیں تم تم کہہ کے
کیوں مخاطب کرتے ہو تو میں شاید کوئی جواب نہ دے سکوں! آپ سچ سچ بتائیے۔
حق بھی کیا ہے؟"
"بیٹھے تو ہے۔ ورنہ نہیں!"
"لیکن۔ کیا۔ آپ، مطلب یہ کہ تم خود بھی کبھی ناخوش تو نہیں
ہوگی کہ ان حضرت نے پیچھا ہی لے لیا!" اپنے بغیر بودا کلام پر خود منصور کو ہنسی
آ گئی۔ پھر اس نے موضوع بدل دیا۔ "خیر۔ میں یہی کہوں گا جو تمھاری مرضی
ہے۔ اب کہو۔ وہ بات جو کہنا چاہتی تھیں۔!؟"
"آپ نے اسماء کو اس روز جو ڈھیر بھر چیزیں خرید دی تھیں وہ آپ جانیں
وہ جانیں۔ مگر آپ نے میرے لیے جو زنجیر لی۔ وہ۔ وہ بیکار کا تکلف۔! وہ
گھر بڑا لگی۔"
"پسند نہیں آئی؟" منصور نے سادگی سے پوچھا: "اچھا اب دوسری لا کر
سے زیادہ خوبصورت لیے آتا ہوں۔ میں مجبور ہوں۔ ان چیزوں کے معاملہ
میں میری پسند بہت اعلیٰ ہے۔ مگر میں ایسی چیزوں کی خرید فروخت کا
تجربہ نہیں رکھتا۔ اس لیے میں نے کہا تھا کہ ساتھ چلو اور اپنی پسند سے
لے لو۔ تم راضی نہ ہوئیں!"
"مگر کیوں۔!" تیز لہجے میں عذرا بولی۔

یہ تو میں بھی نہیں جانتا!۔ وہ پھر مسکرانے لگا!۔
آپ برا نہ مانیے گا۔ مطلب یہ کہ مجھے کسی کا احسان لینا اچھا نہیں لگتا!۔
احسان۔۔؟ منصور اس کا چہرہ تکنے لگا۔
ہاں! تحفے تحائف لینے دینے کی چیزیں ہیں۔ میں آپ سے کوئی چیز کیسے لے سکتی ہوں۔ جبکہ میں آپ کو کچھ دے نہیں سکتی ہوں!۔
عذرا۔ اس نے زیر لب کہا۔ چاہو تو بہت کچھ دے سکتی ہو۔
عذرا اسے دیکھنے لگی۔ اس کے ذہن میں اسما کا کہا گونجا۔ بہت خوبصورت آدمی ہے۔ پرکشش، خوشنما ناک، گھنی گھنی خمیدہ پلکیں۔ اور اتنا مخلص معصوم سا چہرہ۔! مگر دوسرے لمحے اس کے ذہن کی سطح پر اپنے باپ کا چہرہ ابھر۔ فکرمند، پریشان اور ہوائیاں سی اڑاتا چہرہ۔ اور پھر اس کے لطیف دربک خیالات پر تفکرات کا گہرا سایہ چھا گیا۔ بہ آخر وہ ادھر ادھر کی کیا سوچنے لگی تھی۔ مانا کہ منصور صاحب بہت خوبصورت، پرکشش آدمی ہیں۔ ساتھ ہی دولت مند بھی ہیں۔ تو پھر اسے کیا۔؟ اگر اس نے انہیں اپنے بے غبار خیالوں میں بسا لیا تھا پھر انہیں بھلایا نہ جائے گا۔ تب جان پر آ بنے گی۔ منصور صاحب کے لیے کوئی دولت مند ہی بیوی تلاش کر لی جائے گی!۔ وہ آج کے سعنی خیز ڈائیلاگ اور ایک متوسط طبقے کی لڑکی کو یکسر فراموش کر کے اپنی بیوی میں مگن ہو جائیں گے۔ تب۔ کیا وہ ان کی یاد میں آہیں بھرے گی۔ زندگی کو روگ بنا لے گی۔ دق لگا لے گی۔ خون تھوکے گی؟ نہیں! ابھی سویرا ہے۔ اسے اس کمزور ڈھونگ کو یہیں ختم کرنا ہے۔ آئندہ کے لیے کوئی راہ کھولنا نہیں ہے۔ بعض دفعہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ یا حجاب کا کوئی انداز مرد کو بڑی غلط فہمی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ لہٰذا اسے اپنی مسکراہٹوں اور گفتگو

کے طرز پر بھی قابو رکھنا چاہیئے۔

منصور صاحب بڑے آدمی ہیں۔ وہ اس کی سرد مہری، بے رخی اور بے اعتنائی دیکھ کر خود بخود اس سے دور ہو جائیں گے!۔

اسے اپنے باپ کا سہارا بننا ہے۔

اسے پختہ یقین تھا کہ باپ کی ملازمت خطرے میں پڑ چکی تھی تبھی تو اتنے افسردہ اور فکر مند رہنے لگے تھے۔ ورنہ فکر و تردد کا ان سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔

یہ بھی اسے پتہ تھا کہ ماں کے چند زیوروں کے سوا گھر میں کوئی رقم جمع نہ تھی!۔ اگر باپ کی ملازمت جاتی رہی تھی تو پھر چند ہی روز میں ان کے ہاں روٹیوں کے لالے پڑ سکتے تھے!۔ اسے زندگی کی سخت گیریوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ محبت وغیرہ کے بارے میں سوچنا فی الحال عقلمندی نہیں ہے!۔

اس نے بچپن کی سادگی کے تحت ایک روز کے لیے منصور کی دی ہوئی طلائی زنجیر گلے میں ڈال لی تھی۔ مگر اتار کر رکھ دی!۔ اس شخص کی کوئی چیز اپنے سینے سے لگا کر نہیں رکھنی چاہیئے جو ہر دم ہر پل ہر آن اس کی یاد دلاتی رہے۔

وہ پھر پہلے والی کھردری منہ پھٹ اور دلیر لڑکی بن گئی! لیکن خود کو بدلنے میں اسے کتنی تکلیف ہوئی۔ وہ اپنی ذات سے منافقت کر رہی تھی یہ کرب اسے خاموشی سے جھیلنا تھا!۔

سہ پہر کی چائے کے بعد حسب معمول نظام کھیلنے چلا گیا۔ عزیز کو تعلیم سے بہت دلچسپی تھی وہ اسماء سے کہانی کی کتاب لے کر صحن میں جا بیٹھا تھا۔ صوفیہ بیگم

کچن میں تھیں۔ وہ اسما کو جب سے مسز حسن کی توجہ نصیب ہوئی تھی وہ زیادہ تر انہی کے ہاں رہتی تھی۔ انھیں بھی اس سے بے پناہ محبت ہو گئی تھی۔ کبھی کبھار وہ رات کو انہی کے ہاں سو بھی رہتی تھی۔

صفدر صاحب تنہا دیوان خانے میں بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے میز پر اخبار رکھے تھے۔ ان کی انگلیوں میں سگریٹ سلگ رہا تھا۔ مگر نہ وہ اخبار دیکھ رہے تھے نہ سگریٹ پی رہے تھے۔ وہ خلا میں گھور رہے تھے اور جانے کیا سوچ رہے تھے!۔

"ابا!" عذرا دیر سے انھیں جھانک رہی تھی۔ جب اس سے ضبط نہ ہو سکا تو بول پڑی۔ حالانکہ بڑی نرم و نازک آواز تھی مگر صفدر صاحب کے کشیدہ اعصاب پر بم بن کر گری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی انگلیوں سے سگریٹ چھوٹ گیا وہ اس طرح سہم گئے جیسے بڑا ہولناک جرم کرتے پکڑے گئے ہوں ان کے منھ سے آواز تک نہ نکلی!۔ عذرا بہت ہوشیار و باریک بین تھی۔ وہ ان کی حالت سمجھ گئی اور ان کے پاس آتی ہوئی بولی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا ابا کہ یہ اماں اتنی بے تکی کیوں ہیں۔ اب وہ دیر سے لڑکے کے اور میرے پیچھے پڑی ہیں کہ دالان سے ایک سا تخت ہٹا کر کمرے میں بچھا دیں۔ میں نے لاکھ کہا کہ اس طرح دالان میں صرف ایک تخت اچھا نہ لگے گا۔ مگر ایک نہیں سنتیں۔ سچ کہتی ہوں آپ کے دلار نے میرا کوئی رعب ان پر باقی نہیں رکھا!"

صفدر صاحب نارمل ہو کے مسکرائے "تمھارے اور ان کے مقابلہ کے بیچ ریفری بنتے بنتے میں عاجز آ گیا ہوں۔ اب صلح صفائی کرانے سے مجبور ہوں۔ لہذا جو وہ کہیں کان دبا کر کر دو۔!"

دھک سے عذرا نے ان پر سوال دے مارا: "ابا آپ کیا سوچ رہے تھے اتنے پریشان کیوں ہیں کئی روز سے؟"

"کک کچھ نہیں۔ وہ ۔ اپنا درد سر !" وہ ہکلا کر ہکلائے۔

نہیں ابا نہیں" وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گئی اور ان کی پنڈلیوں کے گرد اپنا بازو حائل کر کے انھیں اپنے سینے سے لگا لیا

"میں پہچان گئی ہوں ابا۔ آپ کی ملازمت جاتی رہی ہے۔ چار چھ روز سے برابر میں بھی تو اخباروں میں آپ کی کمپنی کے ڈائریکٹر صاحب کے کرتوت ان کی گھپلے بازیوں کے تفصیلی حالات پڑھتی رہی ہوں۔ کمپنی پر تالا لگ گیا اور ملازموں کو پانچ پانچ سو روپے دے کر نوٹس تھما دیا گیا۔ اماں سے میں نے سارے اخبار چھپا دیے۔ وہ یہ خبریں پڑھ لیتیں تو ہفتوں کے لیے اختلاج لے کر پڑ جاتیں اور ہماری پریشانیاں بھی بڑھ جاتیں۔ ابا۔ آپ اس قدر نروس کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا آپ کا مقدر اس کمپنی ہی سے بندھ کر رہ گیا تھا۔ نہ سہی کسی اور جگہ سہی۔ !"

"بیٹی! خدا تمھیں سلامت رکھے۔ صاحب نصیب کرے" صفدر صاحب بادل حملے سے سنبھل نہ سکے۔ ہار گئے اور شکست خوردہ آواز میں کھسیائے ہوئے لہجے میں بولے: "تم نے اچھا کیا کہ اخبار چھپا دیے۔ اب اخبار لینا بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ کبھی تم سے بھول ہو جائے اور وہ تمھاری والدہ دیکھ لیں۔ ! میں یہ سوچ رہا ہوں۔ بیٹی کہ اب گھر کا نقشہ کیا ہوگا۔ ماہانہ دو ہزار خرچ کی جگہ اب ہاتھ بالکل خالی ہے۔ خرچ کیسے چلے گا؟ تمھاری سب کی کھانا پینا، بیماری دکھی، ڈاکٹر کی فیس۔ اور وہ سارے بل، ٹیلیفون بجلی اور دودھ والا" وہ عجیب طرح سے بہکنے لگے۔ بے ربط

سی باتیں کرنے لگے۔!

عذرا ان کی پنڈلیاں چھوڑ کر سامنے میز کے گوشہ پر ٹک گئی: "ابا اس طرح گھبرایئے نہیں۔ اگر آپ کی پریشانی اماں پر بھی اثر انداز ہو گئیں اور آپ دونوں نے ساتھ مل کر گھبرانا شروع کر دیا تو بھلا بتایئے کہ ہم لوگوں کا حشر کیا ہو گا!۔ چھوڑیئے بھی۔ آج نہیں تو کل۔ کچھ نہ کچھ تو ہو گا ہی۔ ابھی میں زندہ ہوں۔ لہٰذا۔۔"

صفدر صاحب کو ہنسی آ گئی۔

عذرا بھی ہنس دی: "ابا۔ سنیئے! مجھ سے بہت پہلے مس کاملی نے کہا تھا کہ ان کے اسکول میں ایک جگہ خالی ہے۔ میں وہاں آ جاؤں۔ مجھے وہ بہت چاہتی ہیں۔ لیکن میں نے کہا کہ مجھے بی۔ اے کر لینے دیجئے۔ ابا میں آج ہی ان سے ملتی ہوں اور وہ مجھے ضرور رکھ بھی لیں گی۔ میں گھر پر پڑھ کر بی۔ اے کر لوں گی۔ مگر فی الحال جو کچھ سو روپے ملیں گے وہ کیا بُرے ہوں گے۔؟!"

فقرے اس کے منہ سے کھٹ کھٹ ٹوٹنے لگے!۔

نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا!" صفدر صاحب نے کہا: "میں کچھ سوچ لوں گا تم پہلے اپنی تعلیم پوری کرو۔!"

"آخر اماں سے یہ بات کب تک چھپی رہے گی؟"

تو اس کے لیے کیا کرو گی؟

"انھیں معلوم ہی نہ ہو سکے گا کہ میں کالج جا رہی ہوں کہ اسکول۔ جیسا وقت تو دیں بھی رہے گا، جواب ہے۔ بس۔ میں ہر ماہ جو کچھ لاؤں گی۔ آپ کو دے دیا کروں۔ صرف اسی وقت تک ابا جب تک کہ آپ کو کوئی

دوسرا کام نہیں مل جاتا۔ بس۔ ادھر آپ کو جاب ملا ادھر میں نے سروس کو خیر باد کہا۔!

مگر عذرا ابھی تمھاری عمر ہی کیا ہے ۔۔!"

ابا۔ جنگ طرابلس میں زخمیوں کو پانی پلانے والی بچی فاطمہ بنت عبداللہ تو صرف بارہ سال کی تھی؛ عذرا نے جواب دیا: اور میں تو سترہ سال کی ہوں! میرے لیے چھوٹی جماعت کے بچوں کو پڑھانا۔ یا صرف۔ آپ کا ہاتھ بٹانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ ابا۔ اولاد آخر کس لیے جنم لیتی ہے؟"

صفدر صاحب خاموش ہو گئے۔ بڑے صاف دل صاف باطن اور بے زبان سے شرمیلے آدمی تھے۔ انھیں چوں چرا کرنا بحث میں پڑنا بال کی کھال نکالنا آتا ہی نہ تھا!۔ اور ان دنوں تو وہ حقیقتاً پریشان تھے عذرا نے انھیں قائل کر دیا وہ قائل ہو گئے!۔

دوسرے تیسرے دن وہ اپنی لیکچرر مس کارل سے ملی۔ اسے یہ معلوم کر کے بڑا اطمینان ہوا کہ خالی جگہ پر جو کیڈٹ ٹیچر آئی تھی وہ میٹرنٹی لیو پر چلی گئی تھی اور جگہ پھر خالی ہو گئی تھی!۔ مس کارل جو عذرا سے بہت خوش تھی۔ انھوں نے اسے وہ جگہ دلا دی۔ عارضی ہی سہی۔ اور یہ بھی وعدہ کیا کہ اسے پرائیویٹ طور پر پڑھا دیا کریں گی!۔

اس نے صفدر صاحب کو حالات سے آگاہ کر دیا۔ بے چارے طوعاً و کرہاً راضی ہوئے تھے۔ آہ بھر کر رہ گئے!

ابھی صوفیہ بیگم کو ملازمت کی کچھ خبر ہی نہ تھی!۔ وہ اپنے جوڑ توڑ میں لگی تھیں ان کے پاس مشاطوں کی شریفن کی آمد پھر شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ ایک سہ پہر جب سب بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ انھوں نے صفدر صاحب کو پھر متوجہ کیا۔

"آپ صفدر صاحب۔ ایک وہ وکیل صاحب۔ جنھوں نے آپا جمالہ کے گھر کا مقدمہ لڑا تھا اپنے لڑکے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ مجھے بھی وہ لڑکا بہت پسند ہے — میلاد شریف کی محفل میں دیکھا تھا۔ اونچا پورا، پڑھا لکھا۔ برسر روزگار مجھے پہچان کر اس نے مجھے سلام کیا۔ اور میں —"

"تو آپ اس گدھے پر لٹو ہو گئیں۔" عذرا نے سپاٹ لہجہ میں بول دی۔ "امّاں آپ کو ہو کیا گیا ہے۔ چار پیسے رکھ کر۔ آخر آپ کیا سوچیں گے!"

"ارے مرادوں جلی۔" صوفیہ بیگم چلا پڑیں۔ "نہ شرم نہ حیا۔ کیسی منھ پھٹ لڑکی ہے۔ شریف ہوا تم کچھ خیال نہ کرتا۔ کالج میں پڑھ کر اس کا تو . . . ارے مجھے کہہ رہی ہے کہ میں کسی پر لٹو ہو جاؤں گی۔ کچھ بڑوں کا ادب لحاظ ہے کہ نہیں!"

"صوفیہ!" صفدر صاحب نے اپنی عادت کے خلاف سنجیدگی اور کچھ برہمی سے کہا۔ "تم اپنی یہ بیکار کوشش کو تہہ کر کے ایک طرف رکھ دو۔ میں تم سے پہلی اور آخری بار کہتا ہوں کہ ابھی میں لڑکی کی شادی کرنے کے موقف میں نہیں ہوں!۔ شادی یونہی نہیں ہو جاتی۔ ہزاروں خرچ ہو جاتے ہیں — سمجھیں!۔ اور میرے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے۔ میں اپنی کسی لڑکی کو یوں ہی راہ چلتے کے ہاتھ نہیں پکڑا دوں گا۔ جب کبھی ان کی شادی کروں گا۔ معقول طریقے سے۔!"

"میرے پاس جہیز کا سامان رکھا ہے۔ چندن ہار، کنگن، بالی، لاکٹ اور لباس۔" صوفیہ بیگم نے ہار نہ مانی۔ "تو پھر اسے گلا ڈالنا!"

"نہیں بالکل نہیں!" جھلا کر صفدر صاحب نے کہا۔ "ابھی پانچ سال تک ہمارے گھر میں شادی بیاہ کا نام نہیں لیا جائے گا!۔ اور اگر وہ عورت،

شریفن۔ جو تمھیں زیادہ بیوقوف بناتی ہے۔ گھر میں پھر دکھائی دی تو کم بخت کی چوٹی پکڑ کر نکال باہر کر دوں گا!" وہ پاؤں پٹختے ہوئے چلے گئے۔!

"اے اللہ!" صوفیہ بیگم نے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ صفدر صاحب کو شادی کے بتیس برسوں میں پہلی بار انھوں نے اتنے غصے میں دیکھا تھا۔ بس لرز کر رہ گئیں!

عذرا ان کا ہونق چہرہ دیکھ کر مشکل سے ہنسی ضبط کر رہی تھی!۔

"آپ کو بوا شریفن کی چوہے کی دُم کی سی چوٹی کٹوانے کا شوق ہو تو انھیں ضرور بلا لیجئے" وہ کھنکھار کر بولی "بے چاری کو پہلے ہی شکایت ہے کہ باٹھ سال کی پکی عمر میں ہزاروں تیل پھلیل لگانے پر بھی بال نہیں بڑھتے رہی سہی چوٹی بھی اگر ابا نے نیچ ڈالی تو پھر یہ صدمہ ان کو جان لے لے گا!"

"تم اور جلے پر نمک نہ چھڑکو بنا۔!" وہ جھنجھلا پڑیں "کئی دن سے دیکھ رہی ہوں کہ وہ اپنے آپ میں گم ہیں۔ نہ وہ ہنسنا بولنا ہے نہ بات چیت ہے نہ اور سے۔ اگر کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے کہیں۔ کیا میں۔!"

"کیا کہیں آپ سے" عذرا بولی "آپ تو خدا کے فضل سے اتنی اختلاجی وہمی اور خفقانی ہیں کہ گھر سے میں چوہا پھدکتا ہے تو آپ سمجھتی ہیں اختلاج کو دورا ہے اور ہفتوں آپ کا دل ٹھکانے پر نہیں آتا۔ ایسے میں ابا آپ سے کچھ کہہ کر پریشانی کیا مول لیں؟"

ٹھنڈے پسینوں اس کی بات سن کر انھوں نے کہا "اچھا۔ تو مجھے بتا کیا بات ہے۔ ایسا مجھے بالکل بوکھل سمجھ رکھا ہے کہ کوئی بات ہی نہیں برداشت کر سکتی۔ بتیس سال سے تباہ کر رہی ہوں۔ اچھے برے وقت دیکھے پڑی ہوں۔ اتنا مجھے پاگل نہ بناؤ۔ سچ سچ کہو کہ کیا وجہ ہے کہ تمھارے ابا یوں گم سم اور کھوئے کھوئے سے ہیں!"

"میں کیا جانوں" یہ کہہ کر اٹھ کر عذرا نے صوفیہ بیگم کو پکڑا دیا "امی آپ ابا کی شریک حیات ہیں۔ ان کے پاس جائیے تسلیاں دلا سے دیجئے۔ خود بخود اپنی پریشانی کی وجہ بتا دیں گے!"

"میری وہ کب سنتے ہیں" صوفیہ بیگم نے جلبلا کر کہا "اب تو بس تو ہی سب کچھ ہے ان کے لیے۔ بتائیں گے تو تجھے ہی بتائیں گے۔ اور میرا تو خیال ہے کہ تجھے ان کی پریشانی کا حال معلوم بھی ہے۔ نہیں معلوم ہے تب بھی بتائیں گے تو تمھیں ہی بتائیں گے۔ لیکن بیٹی بات کرنے کا سلیقہ سیکھ۔ الفاظ کے ہیر پھیر سے بات کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے"

"آپ نے کچھ سکھایا ہی نہیں" عذرا نے کہا "ابھی اسی دن منصور صاحب کہہ رہے تھے کہ یہ کیسی جلی جھلسی دونا نے دار روٹیاں پکائی ہیں کہ جی چاہتا ہے پکانے والی کے منھ پر دے ماروں!"

"منصور صاحب۔!" انھوں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری۔

"آپ نے اتنی لمبی سرد آہ کیوں کھینچی اماں۔ کیا منصور صاحب بھی اچھے لگتے ہیں؟"

"بھاگ یہاں سے منھ پھٹ کہیں کی۔ تجھے شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے یہ ٹھنڈی سانس تیرے لیے بھری تھی۔" وہ بیٹھی ہنستی رہی تو صوفیہ بیگم خود اٹھ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئیں!۔ ان کے پیٹھ پھیرتے ہی عذرا کی ہنسی ایک گمبھیر سنجیدگی سے بدل گئی۔ ابھی تک ابا کو کہیں دوسری سروس نہیں ملی تھی۔ روز بیچارے نجانے کہاں کہاں کے چکر لگاتے تھے۔ ان کی کمپنی کے ڈائرکٹر صاحب نے جو غبن کیا تھا۔ اس سلسلے میں ان کے سارے ملازمین اور

ورکرز ملوث سمجھے جا رہے تھے۔ ایک دفعہ رات کے وقت صفدر صاحب کے گھر پر بھی پولیس آئی تھی۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ ایسی ناقابل یقین حد تک بے اطمینان کمپنی کے ورکرز کو کہیں سروس نہ مل رہی تھی!۔

گھر کا نقشہ ابھی سے بگڑنے لگا تھا!۔ اب بیرون دودھ گوشت بند ہو چکا تھا۔ دھوبی برطرف کر دیا گیا تھا۔ ہر تیسرے دن جو پھل اور مٹھائی کا آنا مقرر تھا۔ وہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ عمدہ چاول اور مول کے دانوں ایسے گیہوں خواب ہونے والے تھے۔ صوفیہ بیگم کو کچھ کچھ احساس ہونے لگا تھا۔ یہ تبدیلیاں آخر کیوں تھیں؟ راتوں کو ہمیشہ بچے دودھ پیتے۔ سب کے لیے ایک ایک گلاس مقرر تھا۔ اب دالیں کیوں پک رہی تھیں۔ سیب اور قلاقند کہاں تھے؟۔ وہ کوئی ناسمجھ بچی تو نہ تھیں جو یہ سب کچھ دیکھتیں اور اس کی وجہ معلوم نہ کرتیں مگر انھیں الٹے سیدھے بہانوں سے ٹالا جا رہا تھا۔! اگر وہ اپنا اختلاج اور گریہ وزاری لے کے پڑ گئیں تو۔ ایک تو مزید پریشانی۔ دوسرے ڈاکٹر اور دوا علاج کا خرچ۔ ایسے حادثے اسے بہت سے یاد تھے۔ جبکہ کسی دور دراز کے عزیز کی ہفتوں پہلے مر جانے کی خبر سن کر صوفیہ بیگم کی حالت دگرگوں ہو گئی تھی اور وہ اعصابی کشیدگی کی بیمار بن گئی تھیں۔ تب ان کے علاج اور تیمارداری پر روپیہ پھونکا جاتا تھا۔ اب صورت حال دوسری تھی۔

مگر کب تک۔ اماں کو کب تک بھلاوے میں رکھا جائے گا!۔

اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اور اس کے آگے شفاف پتھروں کے فرش پر ایک قدآور سایہ

بھی پھیلا نظر آیا! اس نے طویل سانس لی مگر رخ موڑ کر نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ منصور خود اس کے سامنے آگئے۔

آداب عرض! انھوں نے سلام کیا۔

شفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے جواب دیا: "جیتے رہیے۔ خوش رہیے اللہ آپ کی مرادیں پوری کرے۔ صاحب نصیب کرے!"

"بس! کافی ہے۔ تمھارا بہت بہت شکریہ!" منصور نے مسکراتے ہوئے کہا "اتنی عمدہ عمدہ دعائیں مجھے آج تک کسی نے نہیں دی تھی۔ مگر مجھے ان کی مقبولیت میں شک ہے"

"خدانخواستہ آپ کا ایمان بہت کمزور معلوم ہوتا ہے!"

کیا بیٹھنے کو بھی نہ کہو گی!"

تشریف رکھیے!" سامنے کرسی پر رکھی کا پیان اور قلم اس نے اٹھا کر ریڈیو کی میز پر رکھ دیے! اور اپنے آنچل سے کرسی صاف کر دی۔ منصور نے آنچل پکڑ لیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائے! "اس آنچل پر حوریں نماز پڑھتی ہیں۔ اسے اس طرح ایک گنہگار آدمی کے لیے گرد آلود نہ کرنا!" وہ اس کے پاس ٹک گئے۔

آپ تھوڑا سا انتظار کیجئے" اس نے ان سنی ان سنی کر دی۔ "میں آپ کے لیے چائے بنا کر ابھی لائی!

میں چائے پی کر آیا ہوں۔!" منصور نے کہا "بہانے بنا کر بھاگو مت! میرے سامنے بیٹھ جاؤ۔ میں تم سے ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں!"

اس کے سفید سفید عارض پل بھر کے لیے شفق رنگ ہو گئے۔ پھر اس نے سنبھالا لے لیا اور دل کڑا کر کے بولی۔

"فرمایئے!" اور خود کو حوصلہ دینے کے لیے مسکرائی!۔
میری کچھ عادت ہے کہ میں فضول تمہیدیں نہیں باندھتا۔" منصور نے کہا "جو کچھ مجھے کہنا ہوتا ہے۔ صاف صاف کہہ دیتا ہوں!۔
"جی۔!" اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اب کیا عشق آمیز مکالموں کی ریہرسل ہوگی اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری!۔
"میں جس سرکاری لائبریری میں بیٹھ کر اپنے نوٹس مکمل کرتا ہوں۔ وہاں دروازے کے بالکل سامنے گرلز اسکول ہے۔" منصور نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔" ہوئی میری گرلز اسکول۔ اور میں بہت دنوں سے تمھیں وہاں آتے جاتے دیکھ رہا ہوں۔! اس کی کیا وجہ ہے؟"

وجہ بتانا بہت ضروری ہے کیا۔؟" عذرا کی خودداری اور آن پرستی اسے حقیقت حال کے اظہار کی اجازت نہیں دے رہی تھی!۔ اس کا چہرہ یکبارگی سرخ ہو گیا اور منصور سے یہ تبدیلی پوشیدہ نہ رہ سکی!۔
"ہاں" انھوں نے جواب دیا۔" اگر وجہ کی پردہ پوشی بہت ضروری نہ ہو تو۔"
"تو پھر مجھے افسوس ہے کہ میں مجبور ہوں!" عذرا نے کہا اور فرش کو تکنے لگی۔
"عذرا!" لہجہ بہت مخلصانہ اور گلوگرفتہ تھا۔
وہ چپ رہی!۔
کیا تم مجھے تھوڑا سا بھی اپنا نہیں سمجھتیں؟"
"ایسی کوئی بات نہیں ہے!" وہ بمشکل بولی۔
تو پھر۔؟" وہ مصر تھے۔ سرہی ہو گئے تھے۔
آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں!"
وجہ! جو تم بتانا نہیں چاہتیں" منصور بولے" لیکن اتنا تم سے کہنا ضروری

سمجھتا ہوں کہ وہ کرسچین اسکول ہے۔ وہاں سارے ٹیچر اور استاد صدر و مدرس وغیرہ سب مرد ہیں۔ ان میں تم ایسی لڑکی کا اٹھنا بیٹھنا میرے نزدیک مناسب نہیں ہے! ۔ تم آخر وہاں کیوں جاتی ہو؟ "

" کچھ کام تھا! " اس کا لہجہ اب بھی متاثرانہ تھا۔

" اچھا میں صوفیہ باجی سے پوچھتا ہوں۔

" نہیں نہیں! " عذرا نے گھبرا کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا " اماں کو معلوم نہیں ہے۔"

منصور کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی! ۔ عذرا نے شرما کر ہاتھ ہٹا لیا اور اٹھ کھڑی ہوئی! " تین چار دن بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں اسکول کیوں جا رہی ہوں " منصور کھڑے رہ گئے وہ چل دی۔!!

صفدر صاحب کی خاموشی اور فکر مندی نے بالآخر بھانڈہ پھوڑ ہی دیا۔ ایک روز مسز حسن کی خیریت پرسی کے لیے صوفیہ بیگم گئی تھیں۔ وہاں انھوں نے ساری تفصیل سن لی۔ مسرور نے ایک ایک بات بڑی تفصیل سے بتا دی۔ اسے کیا پتہ تھا کہ ان کا مزاج اتنا نازک اور اعصاب اس قدر کمزور رہیں۔ مسرور کے کہنے پھر ایک آئینہ سا ان کے سامنے آگیا اور اپنے شوہر کی پریشانی، گھر کے اخراجات میں قابل لحاظ کمی وغیرہ سب ان کی سمجھ میں آگئی! ۔ وہ تو چپ چاپ واپس آگئیں۔ مگر مسز حسن کے یہاں دیر تک اسی موضوع پر گفتگو ہوا کی۔ اتفاق سے حسن صاحب بھی تھے انھوں نے کہا۔

" بھئی جب تک تمھارے بھائی صاحب کے ہاں سے خط نہیں آجاتا۔

ہم منصور کے سلسلہ میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ مگر اپنے دوسرے لڑکے کی شادی کر کے کسی حد تک گھر کا جمود دور کر سکتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟"

مسز حسن اب ٹھیک تھیں۔ کھل اٹھیں۔ "مسرور احمد کی شادی۔؟

اور کیا" حسن صاحب ہنس دیے۔ "مجھے عذرا بے حد پسند ہے۔ اگر تم کہو تو میں ابھی اور اسی وقت جا کے صفدر میاں کو پیغام دے دوں!۔

عذرا سے مسرور کی شادی۔!" منصور کا چہرہ زرد ہو گیا۔ وہ رحم طلب انداز میں ماں کو دیکھنے لگے!۔ چنانچہ انھوں نے جلدی سے کہا۔ مگر اسے تو میں نے منصور کے لیے پسند کیا تھا"

"منصور کے لیے۔ پھر تمھارے بھائی کی لڑکی۔؟۔ اس کا کیا ہوگا؟"

آج کل میں شاید شوکت کا جواب آجائے۔ میں تو دعا کر رہی ہوں کہ خدا کوئی ایسی صورت نکال دے کہ شوکت میاں خود انکار کر دیں" مسز حسن بولیں "اب تو ان کی بچی خود میرے دل سے اتر گئی ہے۔ بھائی کی بچی ہے تو کیا؟۔ وہ میرے گھر میں کھپ نہ سکے گی"

تو سوچتی کیا ہو؟" حسن صاحب نے کہا "جا کے لے آؤ لڑکی کو اور منصور سے نکاح پڑھوا دو۔ کیا صفدر کی مجال ہے جو انکار کر دے!"

وہ بہت خوش دلی سے بولیں "مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کی مرضی بھی یہی ہو تو میں بہت پہلے صفدر میاں سے کہہ دیتی!۔

دفعتہً وہاں اسما آگئی!۔ ایک خوشنما باسکٹ میں بہت سے پھول اور ان پھولوں کے درمیان کوئی اور چیز تھی!۔ اس کے وہاں آتے ہی جیسے چاندنی سی کھل اٹھی۔

کیا لائی ہو بیٹی۔! مسز حسن نے پوچھا۔

باجی نے بھیجا ہے آپ کے لیے!" وہ بولی اور باسکٹ ان کی طرف بڑھادی مسز حسن نے باسکٹ سے پھولوں کے درمیان کوئی چیز نکالی۔ اور ان کی پلکیں جھپک گئیں۔ ان کے ہاتھوں میں بے حد خوش رنگ اور نئی ڈیزائن کا بنا ہوا خوشنما سوئٹر تھا!۔ مسز حسن نے سوئٹر کلیجے سے لگا لیا پھر فرط مسرت سے کپکپاتے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"کہتے ہیں۔ بیٹی اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ ہاں پچھلے دنوں میرے منھ سے نکل گیا تھا کہ میرا سوئٹر پرانا ہو گیا ہے۔ بازاری مجھے اچھے نہیں لگتے۔ خود بننے کی ہمت نہیں رہی تب تو وہ کچھ نہ بولی۔ مگر اب دیکھئے کہ میری بچی نے سوئٹر بن کر مجھے بھیج دیا۔" پھر انھوں نے دعاؤں کے دروازے کھول دیے!۔

"ہمارے لیے نہیں بنایا سوئٹر۔!" حسن صاحب بھی بہت خوش ہوئے تھے! انھوں نے اسما سے کہا۔ "ہم نے کیا خطا کی ہے۔ بھائی ہمارا سوئٹر بھی پرانا ہو گیا ہے۔!"

"ماموں جان۔ میں نے باجی سے کہا تو تھا کہ آپ کے لیے بھی بُن دیں۔" اسما نے سادگی سے بتایا۔ "مگر باجی نے کیا جواب دیا۔ آپ کو پتہ ہے؟"

"نہیں بھئی۔ ہم نے کہاں سُنا۔ ہمیں کیا پتہ۔؟" حسن صاحب بولے۔

اسما نے برا سا منھ بنا کر کہا۔ "باجی نے جواب دیا کہ ممانی امی دبلی پتلی نازک سی ہیں۔ جھٹ پھر اون میں جلدی سے بُن دیا۔ ماموں جان کے لیے دو ڈھیلے چھوٹے بھر کے اُون چاہیئے اور بنے گا بھی سال بھر میں۔"

حسن صاحب نے قہقہہ لگایا۔ سب ہنسنے لگے!۔ اسما جھینپ گئی!۔ اور بات بنانے کو بولی۔

"یہ جوہی کے پھول میرے چمن کے ہیں۔ میں ممانی امی کے لیے لائی ہوں!"

اچھا اچھا اب تم ذرا جا کے کافی تو بنا لاؤ!" حسن صاحب نے کہا اس کے جانے کے بعد بولے "کتنی خوبصورت بچی ہے۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ اسے منصور کے لیے مانگ لوں! صفدر کی دونوں بچیاں میرے گھر میں آئیں کیوں ثروت! کیا خیال ہے؟"

مسز حسن تو دونوں بچیوں پر تن من سے فدا تھیں۔ بے انتہا خوش ہو گئیں اور اٹھ کھڑی ہوئیں "چلیے ابھی چلیں۔ نیک کام جتنی جلدی ہو جائے اتنا اچھا!"

"بے چارہ بہت پریشان ہے۔" حسن صاحب نے کہا "ایک بے ایمان شخص کی نامناسب حرکت نے نجانے کتنوں کو مبتلائے مصیبت کیا ہے۔ لگی بندھی دو ہزار آمدنی تھی۔ وہ یک لخت جاتی رہی۔ اب میں نہیں سمجھا کہ اس کے گھر کا خرچ کیونکر چل رہا ہے۔ میں پوچھتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں نجانے کیا سوچے۔ خود دار اتنا ہے۔"

"کچھ جوڑ کے نہ رکھا ہوگا؟" سوالیہ لہجے میں مسز حسن نے پوچھا۔

"ابھی اس دن اسما مجھ سے کہہ رہی تھی کہ صفدر بھائی کے اسکوٹر کے لیے باجی نے رقم دی۔" منصور نے بہت چپکے سے کہا "اب خدا جانے کچھ ہے بھی کہ نہیں۔ مجھ سے عزیز بھی کہہ رہا تھا کہ اب ہم پھل مٹھائی نہیں کھاتے۔ ابا نے ٹی وی تعفل میں بند کر کے رکھ دیا ہے کہ بجلی زیادہ خرچ ہوتی ہے۔!"

"اوہ۔!" حسن صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے!

"ہائے تو اب ان سب کا ہو گا کیا؟" مسز حسن نے بے چین ہو کر کہا "صفدر کے لیے کچھ فکر کرنا چاہیے۔ کوئی مناسب ملازمت۔ مجھے تو سن کر بہت افسوس ہوا" اسما کافی لا رہی تھی وہ چپ ہو گئیں۔

پھر باتوں باتوں میں مسز حسن نے اس سے کچھ پوچھا تھا جس کے جواب میں بھولی

بھائی بہن نے اپنے گھر کے سارے حالات بتا دیے!۔

منصور کے لیے کافی زہر ہو گئی۔ اور تب عذرا کے کرسچین اسکول جانے کا راز بھی معلوم ہو گیا۔ وہ اپنی تعلیم چھوڑ کر ٹیچری کر رہی تھی!۔ اسی لیے شرم کے مارے انھیں بتانے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔!

کافی کی پیالی ہاتھ سے رکھ کر انھوں نے کف ہٹا کر رسٹ واچ دیکھی۔ ڈھائی بجنے والے تھے۔ لباس تبدیل کر کے وہ باہر چلے گئے'؟۔

کرسچین گرلز اسکول میں چھٹی ہو چکی تھی۔ منصور نے دیکھا کر سوا تین بجے کے قریب عذرا گیٹ سے نکلی اور بچوں کے جھرمٹ میں اس طرف چلی گئی جہاں بہت سی سواریاں کھڑی تھیں۔ تبھی منصور اس کے سامنے پہونچ گئے!۔ عذرا کا چہرہ دیکھنے کے قابل تھا۔ شرم جھینپ، جھلاہٹ، غصہ کئی جذبے اس پر سایہ کیے ہوئے تھے!۔ اس نے چپکے سے دانت بھی پیسے تھے!۔

میری جیپ میں بیٹھ جاؤ!" منصور نے کہا۔

کیوں؟" تیکھی ہو کر وہ بولی۔

میری گزارش ہے!"

"جانا کہاں ہے؟"

بہت دور نہیں۔ بس ٹینک بینڈ تک!۔

اگر میں آپ کا حکم نہ مانوں تب۔!

پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ گزارش ہے۔ التجا، حکم نہیں!"

"میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتی کہ کسی لڑکی سے تنہائی میں باتیں کرنے کے لیے موقع تلاش کریں"

"منصور کے لبوں پر آج وہ مسکراہٹ نہیں تھی۔ انھوں نے بے حد سنجیدگی اور

نرمی سے کہا۔

"اس حسنِ ظن کا بہت بہت شکریہ!۔۔۔ مہربانی سے بیٹھ جائیے!"

"مجھے ساڑھے تین بجے گھر پہونچنا ہے!" عذرا نے بے رخی سے کہا۔

"میری التجا تمھارے لیے کوئی وقعت نہیں رکھتی؟"

"گھر پر باتیں کرنے سے آپ کو کون روکتا ہے۔!" عذرا نے کہا اور آگے بڑھ کر ایک رکشے پر بیٹھ گئی!۔ رکشا چل پڑا۔

"قابلِ تسخیر" منصور کا چہرہ جلنے لگا!۔ وہ کھڑے دیکھا کیے۔ رکشا آہستہ آہستہ نظروں سے دور ہوتا گیا!۔ اور ایک گلی میں جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

وہ گھر پہونچی تو دیکھا کہ اس کے معزز ہمسائے اس کے یہاں آئے ہوئے ہیں حسن صاحب کے زندہ اور صفدر صاحب کے مردہ قہقہے دروازے ہی سے اس کا استقبال کر رہے تھے۔ عذرا نے سب کو سلام کیا اور جلدی سے اپنے کمرے میں بھاگ آئی۔ اس کی ایک سرسری نگاہ صوفیہ بیگم کے مرجھائے ہوئے چہرے پر پڑی تھی۔ جو کئی برسوں بعد کھلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

عذرا کا دماغ گھوم رہا تھا۔ منصور کی انوکھی غیر متوقع استدعا، اماں کا شگفتہ چہرہ اور ان سب کی آمد۔!اس نے کاپی میز پر پھینکی اور ٹیبل فین آن کر کے کرسی پر گر گئی۔ تبھی پلنگ کے ایک گوشے سے آواز آئی۔

"باجی۔!"

آنکھیں بند کیے کیے وہ تھکی سی آواز میں بولی: "ارے چوہیا تو یہاں کیوں چھپی ہے تمہیں نے کچھ کہہ دیا کیا؟"

"آپ کو پتہ نہیں۔ حسن ماموں اور ممانی امی کیوں آئے ہیں۔

"نہیں!"

"اُف اللہ توبہ!"

"ہوا کیا؟" عذرا سیدھی ہو بیٹھی۔ اسماء کا حسین چہرہ خوف و شرم کے ملے جلے جذبوں سے گلنار ہو رہا تھا!۔

"سب باجی۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ابھی اور اسی۔ مطلب یہ کہ۔!" وہ ہکلا گئی دفعتہً وہاں صوفیہ بیگم آگئیں۔ چہرہ متبسم۔ انداز صحت مند جیسے کبھی خفقان کی مریض رہی نہ تھیں۔ انھوں نے ہنس کر کہا۔

"اے لو تم یونہی بیٹھی ہو۔ خدا کا غضب، کپڑے وپڑے نہیں بدلے" وہ پھر ہنس دیں "جلدی سے اسے بھی تیار کر دو۔ مگر۔!" اچانک ان کے چہرے پر تاریکی چھا گئی جیسے تیز بلب فیوز ہو گیا ہو۔ لہجہ مُردہ ہو گیا "کیا اچھا لگے گا کہ۔ بڑی بہن یونہی بیٹھی رہے اور چھوٹی کا بیاہ ہو جائے"

"بیاہ۔؟" عذرا کو کرسی نے اچھال کر کھڑا کر دیا "کس کا۔ اسما کا؟۔ اُف کس کے ساتھ۔!" اس کے دماغ کے شفاف اسکرین پر منصور سہرا باندھے آ کھڑے ہوئے۔

"مسرور میاں کے ساتھ!" صوفیہ بیگم نے لوحِ دماغ کی تصویر میٹ دی۔ "بیٹی تم بھی اپنی ضد چھوڑ دو۔ پڑھائی وڑھائی پر خاک ڈالو۔ ثروت باجی تو کہہ رہی تھیں کہ اگر ہم راضی ہو جائیں تو وہ ہماری دونوں بیٹیوں کو ـــ!" "سمیٹ لے جائیں غریب کی چیز سمجھ کر" جل کر عذرا درہم برہم ہو کر جملہ پورا کر دیا "اماں آپ سمجھتی نہیں ہیں۔ آج کل کون سخی حاتم ایسا ہے جو کسی لڑکی کو خواہ مخواہ جہیز اور لین دین کے بغیر اپنی بہو بنا لیں۔ یہ تو حسن صاحب آپ پر ترس کھا رہے ہیں۔ ان کے گھر میں کوئی عورت نہیں ہے وہ آپ پر احسان کے بہانے دو زرِ ناخریدہ کنیز اپنے ہاں لے جا رہے ہیں۔ عمر بھر ان سب کی خدمت کرے گی۔ اور بدلے میں

روٹی کپڑا ملے گا!"

اپنی بک بک بند کرو۔" صوفیہ بیگم نے للکار دیا۔ "کہیں یہ سرپھری اپنی بہن کی شادی میں بھی بھانجی نہ مار دے!" "سبھی جہیز کے لالچی نہیں ہوتے۔ اللہ کا دیا ان کے پاس کم کیا ہے جو وہ ہمارے لین دین کی پرواہ کریں گے۔ اور رہی خدمت کی بات تو وہ تو ہر عورت کا نصیب ہے۔ خدمت، چولہا چکی، گرہستی سب اس کا ازلی نصیب ہے۔ کوئی تمہاری طرح عورت، عورت اور خصلت کا مرد نہیں کہ دن بھر کتابیں رات بھر کتابیں، اور اچھال چھکا پن۔ میں حیران ہوں کہ تم کسی گھر میں نبھ بھی سکو گی!"

مجھ پر خاک ڈالیے اور یہ سوچیئے کہ یہ جو کام آپ کر رہی ہیں۔ کیا وہ ابا کی غیرت پر تازیانہ نہیں ہے۔" عذرا نے پھر اسی لہجے میں کہا "وہ کبھی پسند نہ کریں گے کہ ان کی لڑکی یوں بے سر و سامان اٹھ جائے۔!"

کاہے کے لیے اٹھ جائے گی بے سر و سامان" صوفیہ بیگم بھی دبی آواز میں دانت پیس کر چیخیں "اللہ کے فضل سے میرا چندن ہار، کنگن، اماں مرحومہ کا ٹیکہ بھی وہ دے رہی ہوں۔ پندرہ جوڑ کپڑے ہیں۔ بس ایک اوپر کا سامان اور فرنیچر ہی کی تو کمی ہے۔ وہ بھی دے دیں گے آہستہ آہستہ!"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ رہا سہا زیور بھی جا رہا ہے" عذرا منہ پر لبیبہ بڑبڑائی۔

مم۔ مگر۔ اماں" اسما منمنائی "وہ چیزیں تو آپ نے باجی کے لیے رکھی تھیں پہلے تمہارا ہی مقدر جگ جائے!" صوفیہ بیگم جو عذرا کی کٹ حجتی سے کبیدہ خاطر ہو گئی تھیں۔ جھلا کر بولیں "ان کی قسمت میں ہو گا تو اور بن جائے گا ضرور بن جائے گا" عذرا نے زہریلی ہنسی ہنس کر سوچا "اماں کو ابھی بھیا

مستقبل کی آمد کا احساس نہیں ہے۔ وہ مگن ہیں۔ جب روٹی کے لالے پڑیں گے تب زندگی بھر اختلاج کے دوروں سے چھٹکارا نصیب نہ ہوگا!۔ خیر۔ جیسی جواب کی مرضی!۔ وہ سب سے رخ پھیر کر اپنی پسندیدہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ موسم سرما ختم ہو رہا تھا۔ اب عجیب سا گڈمڈ موسم ہونے لگا تھا۔ سوکھی سوکھی سی گرم ہوائیں چلتیں۔ اسما کے باغیچہ میں پت جھڑ ہونے لگی تھی۔ برہنہ شاخوں پر مشکل سے گلاب کی ایک آدھ سوکھی ماری کلی نظر آتی۔ جو بیشتر بن پھل کی طرح زندگی سے پہلے کھلنے کی سزا میں بادِ صرصر کے تھپیڑے کھا کے فرش زمین پر آ رہتی!۔

یکایک اس کا دل بھر آیا۔ اس کی پرنم آنکھیں وسیع و عریض بیکراں آسمان پر لگ گئیں۔ اور دل کی گہرائیوں سے دعا لبوں پر سرسرائی:

"میری بہن زندگی کے ایک نئے دور میں قدم رکھ رہی ہے۔ اے اللہ اس کی زندگی کے ہرے بھرے چمن میں ہمیشہ بہاریں مسکراتی رہیں کبھی خزاں کا دور نہ آئے کبھی گرم ہوا کا کوئی ہلکا سا جھونکا بھی اس کے گلستان زندگی کے کسی پھول کو چھو کر نہ گزرے۔ میری پیاری بہن ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہے۔ خوش رہے۔!"

اس کے لبوں نے آنسوؤں کی نمی محسوس کی اور اس نے سسکی لے کر چہرہ پھیر لیا۔

باہر سے حسن صاحب کے ہاڑتے ہوئے قہقہوں کی گونج ابھی تک ختم نہ ہوئی تھی!۔ ان کے مقابلے میں بے چارے صفدر صاحب بھی مری مری سی ہنسی منہ سے نکال دیتے۔ عذرا کے دل پر چوٹ پڑی۔ نجانے ان کے دل میں کیسے کیسے طوفان مچے ہوں گے۔ کاش! حسن صاحب اندازہ لگا سکتے! اپنی خوشیوں کے آگے انسان کتنا خود غرض اور سنگدل ہو جاتا ہے!۔

وقت اسی طرح آہستہ آہستہ گزرتا جا رہا تھا۔ اب مغرب ہونے لگی تھی۔ لیکن وہ وقت بھی عجیب تھا کہ کسی کو احساس نہ تھا کیا ہونے والا ہے۔ کیا ہو رہا ہے!

پھر عذرا کی حیرت سے پھٹی ہوئی آنکھوں نے اسما کو دلھن بنتے دیکھا۔ سرخ و مرصع لباس اور جگ جگ کرتے زیوروں نے اسے عجیب چیز بنا دیا تھا۔ کاجل لگی کالی کالی سہمی ہوئی غزالی آنکھیں، قدرتی سرخی سے چمکتے لب، افشاں سے دمکتی مانگ اور سہاگ کی خوشبو میں بسی ہوئی ننھی منی گڑیا سی دلھن! جسے خود بھی ادراک نہ تھا کہ یہ کیا تماشہ ہو رہا تھا! ۔

صفدر صاحب دم بخود تھے۔ صوفیہ بیگم بھی حسن صاحب کے آگے چوں نہ کر سکیں۔ ان کی تو مرضی یہی تھی! عورت کی زندگی کا پہلا مقصد شادی، تعلیم و الیم سب ثانوی بیکار چیزیں ہیں۔ عورت اپنے گھر میں خوش رہے۔ اس کا شوہر اسے چاہنے کے بہانے عمر بھر اُلو بناتا رہے بس زندگی گزارنے کے لیے کوئی جھوٹی ہی سہی۔ دلچسپی ہاتھ تو آئے! ۔

صفدر صاحب قطعی نہ چاہ رہے تھے کہ ان کی ننھی بیٹی کے ساتھ یہ جذباتی کھیل کھیلا جائے! ۔ ابھی وہ بہت چھوٹی تھی۔ شادی اور گرہستی کے مفہوم سے نابلد۔ ایسا نہ ہو کہ آگے کوئی اڑچن پیدا ہو جائے۔ غیر متوقع طور پر وہ "بڑے لوگوں" کی بہو بن کر جا رہی تھی۔ اس سے کسی کو کوئی شکایت نہ پیدا ہو جائے! ۔ وہ بہت پریشان تھے۔ لیکن یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ حسن صاحب ان کی بیوی اور دونوں لڑکے افتخار اور ایثار کس طرح اپنی ننھی اسی بھابی پر نثار ہو رہے تھے! ۔ سرور ایک الگ تھلگ گوشے میں چپ چاپ بیٹھا تھا۔ مگر مسرت کے چشمے ہر بن مو سے جاری تھا۔ آنکھیں مسکرا رہی تھیں بات بات کرتے ہنسے دیتا تھا! ۔ اور الماری سے ٹیک لگائے دونوں بازو سینے پہ لپیٹے وہ بڑی مسرت اور دلچسپی سے یہ مبارک چہل پہل دیکھ رہے تھے۔ وہ دہ کہ ان کی نگاہیں اس دروازے کی طرف اٹھ جاتیں جدھر عذرا مؤدب

ہوئی تھی۔ مگر وہ باہر نکلتی دکھائی نہ دی۔ انھیں اس کے ناگوار و نامناسب سلوک کا بہت دُکھ تھا۔ جسے وہ اپنی ظاہری دلچسپی اور خوشی میں چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔

یہ محفل چٹ منگنی پٹ بیاہ کی محفل تھی۔ حسن صاحب اور مسز حسن کو تیاری نے جلدی کیا تھی۔ انھوں نے آناً فاناً سارا انتظام کرلیا تھا! بعد مغرب نقید المثال سادگی سے مسرور احمد سے اسما کا نکاح ہو گیا!۔

نو بجتے بجتے ویڈنگ ڈنر دیا گیا اور گیارہ بجے رات کو بیٹی باپ کے گھر سے رخصت ہو کر شوہر کے گھر چلی گئی۔!

اور اب۔ صفدر صاحب آرام کرسی پر نڈھال سے لیٹے تھے۔ مارے فکروں اور بعد از وقت پچھتاووں کے صوفیہ بیگم نیم جان سی نیچے فرش پر بیٹھی دھک دھک جلتی روشنیوں میں لپکتے اندھیروں کو گھور رہی تھیں۔ عذرا دنیا بھر کا طنز و برہمی چہرے پر لیے ایک ایک کو گھور رہی تھی لڑکے فرش پر یوں مرے سے تھے جیسے ان پر تھکن صدیوں سے طاری تھی۔!

ظلم، زبردستی، زیادتی، ناحق کا اختیار۔ جانی بوجھی مدد۔ اور جانے کیا کیا جو حسن صاحب اور مسز حسن نے روا رکھی۔ صفدر صاحب اندھا دھند سوچ رہے تھے۔ وہ کیسے عجیب سے گونگے باپ تھے۔ حسن صاحب کے سامنے دم نہ مار سکے یا چار بجے وہ لوگ کوئی منصوبہ سوچ کر آئے۔ دھواں دھار باتیں کیں۔ گرجدار قہقہے لگائے، اسما سے بے پایاں محبت کا اظہار کر کے اسے اپنانے کا فیصلہ کیا۔ کسی کی ایک نہ چلنے دیں۔ اور ان کی بیٹی پر اس قدر زبردست حق جتایا کہ بالآخر اسے بیاہ کر لے ہی گئے۔ اب میری بچی اس اجنبی گھر میں کیا کر رہی ہوگی۔ وہ جو کل اس وقت میرے سامنے کھڑی بلبل کی طرح چہک رہی تھی۔ آج الگ

تھا۔ کمرے میں بیٹھی گھبرا رہی ہو گی۔ حیران نگاہوں سے در و دیوار کو گھور رہی ہوگی۔ رو رہی ہو گی۔ کیا سوچے گی وہ۔ بزدل، مروت کے مارے باپ نے یہ کیسا ظلم کیا ہے مجھ پر۔ ؟!

جوار بھاٹے ان کے سینے میں مچلنے لگے!۔ انھیں اندیشہ ہوا کہ کچھ ہی دیر بعد ان پر دل کا دورہ پڑ جائے گا! ایسی گھٹن تھی کہ رگ رگ اینٹھ رہی تھی۔ تبھی بد قسمتی سے صوفیہ بیگم کی روتی آواز عجیب سی لے میں خاموش فضا میں ابھری۔ عذرا نے چونک کر انھیں دیکھا۔! اور بس صفدر صاحب مدتوں سے کھولتے ہوئے خوفناک آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے۔

بے پناہ غصے اور جوش کی حالت میں ان کی تقریر میں ربط و تسلسل قائم نہیں تھا۔ جو تیز تر تلخ ترین فقرہ انھیں یاد آتا تھا وہ اپنی تقریر میں جہاں جی چاہتا ٹانک دیتے تھے۔ چنانچہ اپنی فطرت و عادت کے برخلاف دہاڑنے گرجنے لگے۔

"اب یہ رونا دھونا کس لیے ہے۔ یہ گریہ و زاری کاہے کی ہے؟ میں پوچھتا ہوں کاہے کا ماتم ہے یہ۔؟ نجانے محسن صاحب سے کیا کہہ کر اپنی گھر کی بدبختی کھوئی ہے۔ وہ سارا حال جان گئے۔ ننگے بھوکے افلاس زدہ لوگ ہیں۔ ایک ہی لڑکی کا بوجھ سرکا دیا جائے۔ ورنہ کوئی حق تھا انھیں کہ مجھے دودھ کی مکھی کی طرح الگ نکال پھینکا۔ اور۔ اور تم تو چاہتی ہی یہ تھیں کہ کسی طرح بھی ان کی شادیاں ہو جائیں۔ جھونک دیا جائے انھیں کسی گڑھے میں بلکہ ڈھا دیا جائے ان کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں۔ اب جھونک دیا۔ بوجھ سرک گیا تمھارے سینے پر سے۔ اب کیوں ٹسوے بہا بہا کر مجھ پر یہ ظاہر کر رہی ہو کہ تمھیں بڑا غم ہے۔ ارے۔ بڑی تو قابو میں نہ آئی تو تم نے چھوٹی ہی کے گلے

پر چھری چلادی۔ کوئی حق تھا ثروت بہن کو۔ باپ کے ہوتے یتیم لڑکی سمجھ کے لے گئیں۔ جانتی ہو۔ صرف تیرہ سال کی ہے وہ۔ اور تم جب میرے مقدر میں لکھی گئی تھیں تو سولہ سترہ سال کی تھیں۔ مگر میکے کے چھوٹنے کا تم کو وہ غم تھا کہ رونے روتے برا حال ہو جاتا تھا اور ساری ساری رات سمجھاتے سمجھاتے میرا ناطقے میں دم "

دفعتہً ان کی نگاہ عذرا پر پڑ گئی۔ وہ آنچل منھ پر رکھے ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ صفدر صاحب لاحول پڑھتے ہوئے اٹھے اور بڑے غصے سے باہر چلے گئے۔ صوفیہ بیگم کی طرف دیکھنا بڑا دل گردے کا کام تھا۔ صفدر صاحب کے گرجنے برسنے نے ان کے آنسوؤں کو روک دیا تھا۔ مگر حیرت کے مارے ان کا جس طرح منھ کھلا رہ گیا تھا اور بھونچکا سی وہ بیٹھی تھیں۔ وہ سین اس قدر عجوبہ روزگار تھا کہ عذرا ان کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کر پا رہی تھی۔ نجانے کس بری طرح ہنسی آجائے!۔

پھر صوفیہ بیگم نے از سرِ نو اسٹارٹ لے لیا۔ ایک بچی کی طرح ہچکیاں لے لے کر کہہ رہی تھیں۔

" ایسے نصیب پر بجلی گرے۔ مجھ جنم جلی کو ڈھائی گھڑی کی آئے۔ میں ہی سب کی قصوروار ہوں۔ سارا الزام مجھ پر ہے۔ قسم لے لے کوئی کہ اگر حسن بھائی یا ثروت باجی سے میں نے گھر کی نسبت ایک بات بھی کہی ہو۔ ارے۔ خود کے منھ پر مونچھیں تھیں نا۔ پھر بڑی بہادری سے کہہ کیوں نہ دیا کہ ابھی مجھے لڑکی کا بیاہ منظور نہیں ہے۔ مجھ پر کیا الزام ہے۔؟" ہچکیاں تیز ہوگئیں۔" آج تک کبھی ایک لفظ نہ کہا تھا مجھے۔ اب تو اٹھتے بیٹھتے خفا ہونے لگے ہیں۔ جھڑکیاں۔ ڈانٹ پھٹکار، سمجھتے ہیں نا۔ مجھ بدقسمت کا کوئی ہے نہیں۔ کہہ لو جو جی چاہے۔! آج تک مجھ پر کبھی خفا۔

نہیں ہوئے تھے۔ مگر اب۔!" آنسوؤں کی بڑھتی ہوئی روانی نے آواز بند کر دی۔

عذرا ان کے پاس آ بیٹھی۔ اپنی بچوں کی سی فطرت رکھنے والی ماں کے آنسو ماں بن کر پونچھے۔ بال برابر کیے، نم اور سرد گال پر پیار کیا۔ اور پھر بڈھی نانی کی طرح سمجھانے لگی۔

چونکہ غیر متوقع بات ہو گئی نا۔ اس لیے آپ پر اور ابا پر اثر ہے۔ کل اسما ہنستی مسکراتی خوش خوش اپنی سسرال سے آئے گی۔ بس، یہ سارا اثر اور دکھ جاتا رہے گا۔ اب آپ اپنی طبیعت خراب مت کیجیے۔ کاہے کا رونا اماں۔ وہ بیاہ کر بہت اچھے لوگوں میں گئی ہے۔ اب اس کی بہتری چاہیے۔ اس کے جانے کے بعد یہ بدشگونی اچھی نہیں ہے۔ چلئے اٹھئے۔ بارہ بجنے والے ہیں۔ اب سو رہیے چل کے۔ اٹھیے پیاری میری اماں اٹھیے نا۔"

ان کا دل ٹھہرا مگر شکایت کی۔ "اپنے ابا کو تو دیکھو بیٹی، کہ کس طرح مجھے ڈانٹ رہے تھے۔ کیا وہ انہی کی بچی تھی۔ میری نہ تھی۔ اب اسی طرح وہ مجھے بات بات پر خفا ہوا کریں گے تو میں کتنے دن زندہ رہوں گی۔ میں آپ مریض ہوں۔!"

"اماں آپ عورت ہیں وہ مرد۔ دل کا غبار نکالنے کے طریقے عورت کے الگ اور مرد کے الگ ہوتے ہیں۔ اتنی سی بات آپ نہیں سمجھ سکتیں!"

سسکی لے کر وہ بولیں: "انھیں بھی سمجھا دو کہ پھر آیندہ مجھ پر خفا نہ ہوا کریں۔!"

اچھا اچھا۔ وہ ہنستی ہوئی بولی: "میں ابا کو سمجھا دوں گی۔ بہت ناسمجھ ہو گئے ہیں۔ آیئے اب چل کے آرام کیجیے۔!" وہ انھیں ان کی خوابگاہ میں لائی اور بستر پر لٹا کر پیروں پر شال ڈال دی۔

پھر وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی تو متحیر بھی تھی اور متاسف بھی۔ نازو نعم کی عادی خاتون شوہر کی ایک دفعہ کی بڑی بھلی نہ برداشت کر سکی۔ میری بیچاری اماں!

صبح نو بجے کے قریب عزیز کندھے سے بستہ لٹکائے گھر سے نکلا اور موڑ پر منصور سے مڈ بھیڑ ہوگئی مسکرا کر اس نے انھیں سلام کیا۔ دعا دیتے ہوئے منصور نے پوچھا۔

"کہو بیٹے! کیا ناشتہ کیا آج؟" انھیں احساس تھا بچے صرف کھانے پینے کے تذکرے ہی سے خوش ہوتے ہیں! چنانچہ عزیز نے کہا۔

"مونگ کی گھی پڑی دال اور چپڑی روٹیاں۔!" اس نے معصوم نظروں سے ان کی طرف دیکھا پھر بولا: "اور بعد میں چائے!"

"ہائیں!" منصور نے جان بوجھ کر حیرت ظاہر کی: "انڈے پراٹھے قیمہ بالائی کا تذکرہ نہیں آیا تمھارے ناشتے میں۔ اچھا اچھا ہم سمجھ گئے۔ تم چھپانے ہو کہ کہیں یہ منصور بھائی بھی دسترخوان پر نہ آ بیٹھیں۔ یہی نا۔ کہو کیسے پہچانا؟" وہ ہنسنے لگے!۔

"نہیں نہیں۔ میں جھوٹ نہیں بولتا:" وہ کھسیایا سا ہنسا: "اب ہمارے لیے انڈے اور بالائی ابا نہیں لاتے۔ ایک دن بھیا نے کہا تھا تو ابا نے ڈانٹ دیا تھا کہ غنیمت سمجھو اس دال کو بھی۔!"

منصور کے چہرے سے ہنسی غائب ہوگئی! عزیز کے اسکول جانے کے بعد انھوں نے صفدر صاحب کے دروازے پر دستک دی! اور نام پوچھ کر صفدر نے انھیں بلا لیا۔ ابھی سب دسترخوان ہی پر تھے!۔ مگر ماحول بڑا کشیدہ لگ رہا تھا۔ وہ کرسی کھسکا کر بیٹھ گئے اور ماحول کے تناؤ کو نظر انداز کر کے بولے۔

..کچھ موجود ہو تو اس ازلی بھوکے کو بھی کھلا دیجئے" وہ پھر ہنس پڑے۔"جناب ہمارا گھر شادی کا گھر ہے۔ صبح ساڑھے نو بجے امی اور میری ننھی منی بھاوج۔ شوپنگ کے لیے نکل گئیں۔ پھوپھی اماں نے کچے پراٹھے اور بسا ہندہ آملیٹ بنا کر میز پر رکھ دیا۔ مجھ سے تو ایک لقمہ تک نہ کھایا گیا۔ آپ فرمایئے تو میں اپنا کھانا آپ ہی کے ہاں مقرر کر لوں!"

اس میں پوچھنے پاچھنے کا کیا سوال ہے" صفدر صاحب بولے۔" یہ گھر بھی تمہارا ہے جو بھی چٹنی روٹی ہو گی حاضر کر دیا کریں گے!۔

"زبردستی کی بات ہے صفدر بھائی!"

"خوامخواہ۔۔؟!"

لڑکے نے میز صاف کر کے معنی خیز انداز میں صوفیہ بیگم کی طرف دیکھا!۔ وہ ناشتے کی تیاری میں اٹھ گئیں۔ عذرا جلدی سے بولی۔

"جلی روٹی اور بسا ہندے انڈے سے بدتر ہے ہمارے ہاں کا ناشتہ۔ مونگ کی دال۔ پھلکے"

"آپ نے مجھے جارج پنجم کا بھتیجہ کیوں سمجھ رکھا ہے" منصور بولے" دال روٹی ہی لے آیئے" پُرتکلف چیزیں میں کھاؤں گا بھی نہیں؟"

چنانچہ اس دن میز پر جو چیزیں آئیں ان سے منصور نے اس گھر میں دبے پاؤں آتی ہوئی تنگدستی کا اندازہ لگا لیا۔ اور اپنے تاثرات ظاہر کیے بغیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر عذرا اپنے کمرے سے نکلی۔ خوبصورت خوشرنگ لباس میں ملبوس سجے ہوئے سیاہ دراز بال، سفید و گلابی چہرہ۔ کچھ بولتی ہوئی سی آنکھیں!۔

"اب میں کالج کے لیے اجازت چاہتی ہوں!" اس نے کہا اور ایک سایہ سا

اس کے چہرے پر سے ہو کر گزر گیا!۔

خدا حافظ، فی امان اللہ۔" سب سے پہلے منصور نے جواب دیا۔" خدا نے چاہا تو رات کے کھانے پر ملیں گے!۔

وہ برقعہ سنبھال کر باہر نکل گئی!۔

کچھ دیر بعد منصور بھی اٹھ گئے! تب صوفیہ بیگم نے ڈرتے ڈرتے کہا" اللہ جانے آج اسما کو بھجوائے ہیں کہ نہیں!۔"

رات کا غبار صفدر صاحب کے دل میں ابھی تک بھرا تھا لہٰذا انھوں نے جواب دینے کی بجائے جلدی جلدی سگریٹ دھنکنا شروع کر دیا۔ ان کی بجائے رحمت نانی نے کرارے آواز میں کہا:" اب چاہے بھجوائیں چاہے نہ بھجوائیں۔ ان کی مرضی۔ وہ پرائی ہو گئی۔ اس کی کیا فکر۔ اتنے شوق سے بیاہ کر لے گئے ہیں۔ جتن سے رکھیں گے۔ اور پھر بھرے پرے سسرال کی بہو سے اب تمھارا کیا ناطہ۔ اس پر تمھارا کیا زور۔ اللہ رکھے بہانوں کی طرح آئے گی جائے گی۔ بس، اب تم دل مضبوط کرو۔ آئندہ اس کی فکر میں جان نہ گھلاؤ۔ سمجھیں!۔"

صفدر صاحب نے ایک طویل سانس لی اور کچھ سوچنے لگے!۔ نانی جب چلی گئیں تو دالان میں یہی دونوں رہ گئے۔ تب پھر رکتے ہوئے صوفیہ بیگم نے کہا:" آپ کی اس میں بھی کوئی مصلحت تھی کہ آپ نے مجھ سے کمپنی کے بند ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ سب کو معلوم ہے یہ بات۔ مجھی کو پتہ نہیں۔ ساتنی غیر اہم اور فضول ہوں میں کہ معلوم ہونا نہ ہونا سب برابر۔ جب ثروت باجی نے تذکرہ کیا تو ایک دھکا سا لگا دل پر۔!"

صفدر صاحب صرف کھنکارے۔

اپنی عادت کے مطابق انھوں نے غیر ضروری تقریر جاری رکھی۔" بس

سال ہو گئے گرہستی میں سر دیے ہوئے۔ اللہ رکھے چار بچے ہو گئے۔ آج تک
یہ نہ ہوا تھا کہ مجھے یوں بیکار سمجھ کے کوئی بات مجھ سے چھپائی گئی ہو۔ اب
نئی نئی باتیں ہونے لگی ہیں۔ میں آپ کے دکھ سکھ اچھے برے کی ساتھی کب
ہوں۔ میں تو یوں ہی ہوں۔ زمین دو کوڑی کی اوقات۔ دو نوالے
کھاؤں۔ گھر کا کام کاج کروں۔ پڑی رہوں۔ اس قابل کہاں ہوں
کہ کوئی اہم بات مجھ سے کہی جائے! کل کو بھلا بچے کیا خفیفت سمجھیں گے!"
صفدر صاحب کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ "اسے کہتے ہیں نیکی برباد گناہ لازم
واہ ایک تو اتنی غیر متوقع خبر اس لیے نہ سنائی تھی کہ اختلاج لے کے لیٹ جاؤ
گی۔ پریشان ہو جاؤ گی۔ اس کا صلہ یہ ہے کہ مورد الزام ٹھہرایا جا رہا ہوں
سوچنے کی بات ہے کہ میں تم سے کیا کہتا۔ خوش ہو جاؤ بیوی۔ ملازمت جاتی
رہی۔ ہوا اچھا نکو اب۔"
"تو کیا یہ آپ کی پریشان صورت مجھ سے دیکھی جا رہی ہے۔" وہ روہانسی
ہو گئیں۔
"دیکھی جائے نہ دیکھی جائے۔" صفدر صاحب جو سچ مچ بہت دنوں سے
پریشان تھے۔ جل کر رہ گئے۔ "تمھیں اب یہی صورت زبردستی دیکھنی ہے!"
"کمپنی کے کھلنے کی اب کوئی امید نہیں ہے کیا؟"
"پتہ نہیں۔ اس کے کھلنے تک کیا ہوگا۔ میں ایسا ناعاقبت اندیش رہا ہوں
کہ جو کمایا سب اڑا دیا۔ کچھ جوڑ کے نہیں رکھا۔ یہی فکر کھائے جا رہی ہے کہ وہ
خرچ جو ڈھائی ہزار ماہانہ پر محیط تھا اب تنگدستی میں کیسے چلے گا۔ بچوں
کی صورت دیکھتا ہوں تو کوفت ہوتی ہے۔ ان بے چاروں نے شاید
حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔ مگر میں نہیں کر سکا۔ انھیں ہمیشہ سے اچھا کھلایا

رہا ہوں۔ اب مجبور ہو گیا ہوں" یک لخت وہ چپ ہو گئے۔ دل بھر آیا تھا۔
اللہ کوئی اچھی صورت نکال دے گا" صوفیہ بیگم نے کہا: "اس طرح
سوچتے سوچتے اگر خدا نہ کرے آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تو ہم سب بِن
موت مر جائیں گے۔ آپ کو خدا سلامت رکھے۔ بس۔ ہمارے لیے دال
روٹی ہی نعمت بنی رہے گی!"

"دل سے کہتی ہو صوفیہ؟"

آپ کے قدموں کی قسم۔ یہ میرے دل کی آواز ہے۔ وہ سسکی لے کر بولیں۔

صفدر صاحب نے ایک گہری سانس لی اور بہت دنوں بعد مسکرائے: "خدا کا
شکر ہے کہ بڑا بوجھ سر سے اتر گیا۔ سب سے بڑی فکر مجھے تمھاری تھی کہ یہ بری خبر
سن کر تمھارا اختلاج کیا رنگ دکھائے گا؟ سچ کہو۔ دل ول تو نہیں دھڑک رہا؟"

"آپ اگر پہلے کی طرح ہنستے بولتے نہ رہیں گے تو ضرور دھڑکنے لگے گا!"

اچھی بات ہے۔ تمھاری خاطر ضرور ہنسوں بولوں گا!"

قدموں کی آہٹ سن کر دونوں صحن کی طرف دیکھنے لگے! منصور واپس آ رہے
تھے۔ پاس آ کر انھوں نے پلاسٹک کی بڑی سی باسکٹ جو بہت بوجھل ہو رہی
تھی۔ صوفیہ بیگم کے سامنے رکھ دی۔ اور تھکی تھکی آواز میں بولے: "صوفیہ باجی۔
بخدا سچ کہتا ہوں کہ اب کچھ ہفتے آپ کے ہاں کھاؤں گا۔ گھر کا کھانا مجھے بالکل پسند
نہیں آتا۔ جب سے امی نے بستر سنبھالا ہے۔ میں تو میز پر سے بھوکا ہی اُٹھ جاتا ہوں
اس دن آپ کے ہاتھ کا قورمہ اور پھلکے کھائے تھے۔ ابھی تک اس کا مزہ زبان پر
باقی ہے۔ یہ۔ کچھ۔ چیزیں میں لے آیا ہوں۔ براہ کرم برا نہ مانیے گا۔ آج رات
کو آپ اپنے ہاتھ سے کباب اور کسٹرڈ پکائیے گا۔ ہم سب مل کے کھائیں گے۔ دوپہر
کو میں نہیں آ سکوں گا۔ لائبریری جاتا ہوں نوٹس لینے کے لیے۔ دو ماہ بعد میرا امتحان

ہو گا نا۔ رات کے کھانے پر انشاء اللہ ضرور آجاؤں گا! ۔ خدا حافظ!" کسی کو کچھ کہنے کا موقعہ دیے بغیر وہ مڑے اور چلے گئے! ۔

نرش پر صوفیہ بیگم نے باسکٹ اُلٹ دی۔ اور ساتھ ہی چیخ بھی پڑیں۔

"ہائے۔ ابھی یہ انڈے پھوٹ کے برابر ہو جاتے۔ توبہ۔ کہا نہیں کہ اس میں انڈے بھی ہیں!"

مگر منصور میاں یہ سب کیا اٹھا لائے ہیں" صفدر صاحب ہنسنے لگے "معلوم ہوتا ہے کہ میری طرح سودا خریدنا انھیں بھی نہیں آتا۔ یہ کیا کیا الا بلا ہے"۔

"بورن ویٹا کے دو بڑے ڈبے۔ بسکٹوں کے چھ پیکٹ، یہ سیر بھر مکھن کا ڈبہ!" انھوں نے ایک بڑا سا خاکی لفافہ اوپر سے سونگھا "چائے کی پتی ہے!۔ یہ کسٹرڈ کا پیکٹ اور یہ ملک میڈ۔ ہائے یہ بھیگا بھیگا لفافہ۔ اس میں اتنا بہت سا قیمہ ہے۔ میں کہتی ہوں۔ یہ اتنی ساری چیزیں آخر وہ اٹھا کیوں لائے ہیں!"

ارے۔ کیا ہم انھیں کھلا پلا نہیں سکتے۔ لاحول ولا قوۃ۔ یہ کیا لغویت ہے۔ اچھی خاصی بغیریت کر رہے ہیں وہ" صفدر صاحب بھی ناخوشگوار لہجے میں بر کر مان کر بولے "میں کہہ دوں گا ان سے۔ آئندہ سے یہ خریداری بند ہو جانی چاہیے"۔ ان بے چارے کو کیا معلوم تھا کہ اپنے بہانے سے منصور ان سب کو کھلانا پلانا چاہتے تھے۔ ورنہ ان کا خانساماں کھانا پکانے کا ماہر تھا اور اپنی مہارت کا معاوضہ پانچ سو ماہوار وصول کرتا تھا۔

صفدر صاحب نے پھر پر تفکر لہجے میں کہا "مگر یہ نئی محنت جو تم پر پڑے گی۔ وہ تمھیں تھکا تو نہ دے گی!؟"

"نہیں نہیں۔ میں تو عادی ہوں۔ اچھا بھی ہے۔ کام میں مصروف رہوں گی تو خیالات بھٹکے رہیں گے!" وہ اٹھنے لگیں "اب ذرا باورچی خانے

کی خبر یوں جا کر!!

میں بھی چلتا ہوں۔ ایک پیالی کافی بھجوا دینا۔" وہ بھی چلے گئے۔
گیارہ بج چکے تھے۔ گھر بھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ صوفیہ بیگم کچن میں تھیں
کہ دفعتہً صحن میں کوئل کوکی۔

"امی۔!"

"میری بچی۔!" میلے ہاتھ بے اختیار آنچل سے صاف کرتی وہ باہر لپکیں مسز حسن اسی کا ہاتھ تھامے کھڑی تھیں!۔
انھوں نے بے ساختہ اسے سینے سے لگا لیا۔ مسز حسن ہنس رہی تھیں"
کہاں ہیں صفدر میاں دیکھ لیں اپنی چاند تارہ کو۔ رات بہت منھ
کفتھائے بیٹھے تھے!۔

"باجی وہ تو گھنٹہ بھر ہوا باہر گئے ہیں۔" صوفیہ بیگم پھول کی طرح کھل اٹھی
تھیں رات کے سارے اندیشے بھاپ بن کر اڑ گئے تھے۔ اسما کو دیکھ دیکھ کر
ان کا سیروں خون بڑھ رہا تھا۔ یہ ان کی اپنی بچی تھی کہ کوئی اور۔ زرق
برق لباس میں ملبوس۔ گلے میں ڈائمنڈ کٹ کا بھاری گلوبند اس کے
معصوم حسن میں آگ سی لگا رہا تھا۔ کانوں میں ہیرے کی بالیاں اس کے
سر کی ہلکی سی جنبش سے جگر مگر کرنے لگتیں۔ خوبصورت گوری گوری کلائیوں
میں نفیس قیمتی طلائی چوڑیاں کھنکھنا رہی تھیں۔ اور انگلیوں میں سرخ و
سبز نگوں کی بہت پیاری انگوٹھیاں تھیں۔ مسز حسن نے اپنی حسین و نوعمر بہو
کو سچ مچ زر و جواہر سے لاد دیا تھا!۔

"مسرور میاں نہیں آئے!۔ انھیں بھی آپ لیتی آتیں۔" صوفیہ بیگم کا دل
فرطِ مسرت سے رکا جا رہا تھا!۔

"منسر در میاں تو اپنی دلہن سے بڑھ کے شرما رہے ہیں!" مسز حسن نے ہلکا سا قہقہہ لگایا: "اب کچھ پرانے ہو جائیں گے تو سسرال والوں کے سلام کو حاضر ہوں گے۔"

رحمت نانی بھی کچن سے باہر نکل آئی تھیں اور اس کی پرواہ کیے بغیر کہ کوئی سن رہا ہے کہ نہیں۔ لمبی لمبی دعائیں دے رہی تھیں۔

"اچھا اب اجازت دو۔!" مسز حسن نے کہا: "آج میں اپنی بہو کے ساتھ اپنی دو چار ملنے والیوں کے ہاں جا رہی ہوں۔ کل ہمارے ہاں شادی کی دعوت ہے۔ تم سب کو آنا ہے۔ نانی آپ کو بھی۔ پھر انشاءاللہ۔ واپسی پر تم اپنی بچی کو لیتی آنا۔! دوسرے روز پھر بلوالوں گی۔ آتی جاتی رہے تو گھبراہٹ اور جھجک دور ہو جائے گی۔ اب میں چلوں!"

"اچھا باجی۔ کل ہم ضرور آئیں گے!" صوفیہ بیگم نہال بحال تھیں۔ مسز حسن شال سنبھال کر آگے بڑھ گئیں۔ تب جلدی سے اسما نے اپنی مٹھی ماں کے ہاتھ میں کھول دی۔ اور بہت چپکے سے بولی: "ڈیڈی نے مجھے سلامی دی تھی ایک ہزار ایک سو روپے ہیں۔ یہ میرے ابا کو دے دیجئے۔ میرے ابا بہت پریشان ہیں:" اور بھاگ کر مسز حسن کے پاس چلی گئی۔ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی اور اس کی دی ہوئی رقم آنکھوں پر رکھ کر صوفیہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ کون کہتا ہے کہ بیٹی ماں باپ پر بوجھ ہوتی ہے۔ بیٹی اللہ کی رحمت ہوتی ہے والدین کے لیے۔

جس روز صوفیہ بیگم اپنی یا صفدر صاحب کی طبیعت پریشان اور مضمحل دیکھتی تھیں۔ انھیں یقین ہو جاتا تھا کہ بس یہ موت کی آمد آمد ہے اور پھر اختلاج کے دورے عذرا کی شادی کی فکر پر ختم ہوتے صفدر صاحب بے چارے اپنی سر دس کی تلاش میں ناکام ہو چکے تھے۔ ان کی حسب منشا کوئی جگہ نہ ملی اور کوئی ملی تو وہ ان کے شایان شان ثابت نہ ہو سکی! انھیں بڑا قلق تھا اور مستقبل کی فکر گھن کی طرح کھائے جا رہی تھی۔ ابھی لڑکوں کی پوری تعلیم پڑی تھی۔ نظام نویں میں تھا۔ عزیز ساتویں میں۔ اور یہ کوئی اطمینان بخش بات نہ تھی۔ کبھی تو صفدر صاحب پچھتاتے کہ ماں کے مجبور کرنے پر انھوں نے شادی ہی کیوں کر لی تھی کبھی خود پر نفرین بھیجتے۔ کاش کوئی جمع جوڑی ہوتی۔ بیوی بے چاری نے جو اثاثہ رکھ چھوڑا تھا اس سے انھوں نے اسکوٹر خرید لیا تھا۔ اب وہ سوچتے تھے کہ مکمل طور پر کھوکھلے تھے۔! دہشت مایوسی اور ناکامی نے انھیں چند ہی ہفتوں میں نچوڑ کر رکھ دیا۔

سب سے زیادہ کوفت اور ندامت انھیں عذرا کی ملازمت کی تھی۔ خدا خدا کر کے اسے پہلی تنخواہ پانچ سو چالیس روپے ملے تھے۔ وہ اس لے باپ کے ہاتھ پر رکھ دیے تھے اور تب صفدر صاحب سر سے لے کر پاؤں تک تھرّا کر رہ گئے تھے۔ آج یہ وقت آ گیا ہے کہ وہ بیٹی کی کمائی کھانے پر مجبور ہیں۔ صفدر صاحب بہت خود دار، خوش مزاج اور چہ غم آدمی تھے۔ انھیں اپنے عزیزوں سے بھی اپنی دکھ بھری داستان کہنا گوارہ نہ تھا۔ وہ سب کچھ اپنے دل

پر جھیلنے کے عادی تھے مگر اب ان کی خودداری پر بڑی کاری ضرب لگی تھی! ایک تو اس سہ پہر کو عذرا نے انھیں تنخواہ دی اور شام کے کھانے کے بعد جب منصور چلے گئے تب صوفیہ بیگم نے اکیلے میں اسما کے دیے ہوئے روپے انھیں دے دیے!

صفدر صاحب پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اور انھوں نے غیرت کے ہمالیہ تلے دبے ہوئے کچلے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ نوبت آگیا ہے کہ اب میں بیٹیوں کا دیا لیا کھاؤں گا! کاش خدا مجھے اٹھا لیتا۔ کاش ایسا ہوتا کہ ـــــ!"

بڑی حیرت تھی کہ صوفیہ بیگم نے دل مضبوط کر رکھا تھا۔ انھوں نے کہا "ایسی بددعا خود کو نہ دیجیے کہ خدانخواستہ بعد کو ہم سب سڑک کے کنارے جا بیٹھیں آپ کی ذات ہمارے لیے ہفت اقلیم کی دولت سے بڑھ کے ہے۔! ارے! مصیبتیں کس پر نہیں آتیں۔ اس طرح ہمت ہارنے سے کیا فائدہ۔ یہ دن جو آج بڑے گراں بار ہیں۔ کل نہ رہیں گے۔ روزی روٹی کا کوئی نہ کوئی سامان ضرور پیدا ہو جائے گا۔ ابھی اتنا بھی حشر نہیں مچا ہے کہ آپ اللہ نہ کرے دنیا سے اٹھ جانے کی تمنا کرنے لگے ہیں۔ یہ اچھی محبت ہے کہ خود دنیا کے جنجال سے چھوٹ گئے اور بیوی بچوں پر جو گزرے گزر جائے۔ آپ کو اس سے مطلب نہیں!"

شکست خوردہ سے صفدر صاحب نے کہا "روز صبح سے نکلتا ہوں اور جہاں کہیں کچھ امید بندھتی ہے۔ دست سوال دراز کر کے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ مگر وہی مایوسی وہی ناکامی جو سائے کی طرح ساتھ ہے۔ وہ کسی طرح ـــــ!"

اب ایک ہی بات کو مت سوچے جایئے۔ "صوفیہ بیگم بولیں" میں اللہ کی ذات سے ناامید نہیں۔!"

"خیر ہٹاؤ۔ ہو رہے گا کچھ نہ کچھ۔ کل کیا حسن بھائی کے ہاں ضرور ہی چلنا ہے؟"

"ضرور چلنا ہے۔ ان کی خاطر نہ سہی۔ اپنی بچی کی خاطر۔!"

عذرا نے ماں باپ کی گفتگو سنی تھی۔ اور اپنے کمرے میں بیٹھی خیالوں کے گرداب میں چکرا رہی تھی۔ وہ خاصی سمجھدار اور سنجیدہ تھی۔ اسے بھی بڑی فکر تھی۔ دو ماہ بعد اس کا امتحان تھا اسے اسٹڈی کے لیے وقت نہیں مل رہا تھا۔ پانچ بجے شام کو وہ دماغی اور جسمانی طور پر تھکی ہوئی آتی اور اپنی ملازمہ کا ہاتھ بٹانے کچن میں پہونچ جاتی۔ پھر اس میں اتنی سکت ہی نہ رہ جاتی تھی کہ وہ بھاگ کے مطالعہ کرتی۔ رات کا کھانا کھایا اور بستر پر دراز ہوتے ہی بے خبر سو جاتی۔ ناز و نعم کی پروردہ لڑکی کے لیے یہ معمولی سی محنت اور حالات کی ستمگری بڑی قیامت خیز اور صبر آزما چیز تھی!۔

رات تاریک تھی۔ گرم ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ اس نے دروازہ کھولا اور اسما کے ننھے سے چمن میں نکل آئی۔ موگرے کی حسین دہک نے اسے عجیب عجیب جذبوں کی وادی میں پہونچا دیا۔ وہ بید کی کوچ پر بیٹھ گئی اور نظریں اٹھائیں شاید چاند کی راتیں نہ تھیں۔ کیونکہ صاف و سیاہ آسمان پر ستارے اتنی کثرت اور تیزی سے چمک رہے تھے کہ ان پر نگاہیں جمنا محال تھیں!۔

کیا یہ ان تمام تاروں سے انسانوں کی تقدیریں وابستہ ہیں جو زمین پر رینگتا پھرتا ہے۔ اس کا مقدر آسمان پر جگمگا رہا ہے۔؟ تو پھر کہاں ہے وہ تارہ جو میری قسمت سے وابستہ ہے۔؟ ہے بھی کہ نہیں۔؟ کہیں ڈوب چکا۔ ٹوٹ کے کسی دور دراز کے لامحدود صحرا میں بکھر گیا۔! اس کے لب استہزائیہ انداز میں ہنسے۔

دفعتہ آس پاس بکھرے درختوں پر ایک مستطیل سی روشنی پھیل گئی۔

اس نے کاہل نظریں دوڑائیں۔ سامنے کے خوبصورت دریچے تازہ ہوا کی خاطر پورے کھل گئے تھے۔ دریچوں کے آس پاس اور دور تک ٹھنڈی پر سکون روشنی بکھر گئی تھی۔

ٹمرے سے روشن کمرے میں کوئی ایسے زاویے سے کھڑا تھا کہ اس کا سایہ سامنے کی دیوار پر منعکس تھا!۔ عذرا کے ہونٹ بھنچ گئے۔ اب اگر انھوں نے دور ہی سے سہی۔ اسے پہچان لیا تو پھر۔۔! وہ اٹھنے لگی اور تبھی منصور کا قدآدم پیکر دریچے میں نظر آیا۔

"ہیلو!" وہ چیخے اور بیس گز دور سے ہواؤں نے ان کی آواز اس تک پہونچادی۔ اگر وہ آگئے۔ تب؟۔ اسے گوارہ نہ تھا کہ آدھی رات کی تنہائی کی ملاقات کسی افسانے کا عنوان بن جائے!۔ جواب دیے بغیر وہ اٹھی اور کمرے میں گھس کر دروازہ بند کرلیا۔! اور لمبی لمبی سانسیں لیتے ہوئے کواڑوں سے پیٹھ ٹیک دی!۔

باغیچہ میں گرم ہوا سنسناتی رہی۔ پختہ روش پر خشک پتے ٹپ ٹپ گرتے رہے۔ مگر کسی کے قدموں کی آہٹ نہ سنائی دی!۔

وہ خلوص و محبت کی قائل ضرور تھی۔ مگر اسے دوسرے فریق کی چکنی چپڑی باتوں کا نشانہ بن جانے اور خاص نسائیت سے سر جھکا کر انھیں قبول کرنے کے انداز سے سخت چڑھ تھی کسی حد تک اکل کھری لڑکی اور رومان سے قطعی بے زار تھی۔ سنگلاخ طرز حیات نے اس کے رہے سہے نرم و نازک احساسات پتھر کر دیے تھے۔ اس کے پاس زبردستی کی محبت کو پروان چڑھا کر صرف اپنے آرام اور عیش کی خاطر کسی امیر کے عشرت کدے میں بیٹھ جانا اور سیر و تفریح میں وقت گنوانا یا پھر مرغن غذائیں کھا کھا کے جسم پر چربی لادنا پسند

نہ تھا۔ ابھی اس کے سامنے بے روزگار باپ اور وہمی خیالوں کی بیمار ماں کا فکر تھا۔ چھوٹے بھائیوں کی تعلیم و تربیت کا فرض تھا۔ کیا وہ سب سے منھ موڑ کے کسی سے محبت کے مکالمے بک سکتی تھی۔ فرض ہی سہی۔ لیکن بعد کو وہ پیچ ٹائپ ہونے لگے؟ تب۔ عشق مجازی ہی تو عشق حقیقی کا زینہ ہے! عشق حقیقی کا موضوع صرف رب انام ہی نہیں۔ انسان بھی ہو سکتا ہے!۔

نہیں نہیں۔ مجھے سنگ خارا بن جانا ہے۔

محبت کی میرے نصب العین میں گنجائش نہیں۔

میں ماں بن گئی ہوں۔ چار بھولے بھالے بچوں کی ماں۔ دو مجبور و مظلوم ماں باپ اور دو بے خبر معصوم بھائی۔

اس نے محسوس کیا کہ اس کی پلکیں گیلی ہونے لگی ہیں۔ اور دل آہستہ آہستہ پھڑنے لگا ہے!۔ خود پر زیادتی اور ظلم روا رکھنے والا انسان کتنا قابل رحم ہو جاتا ہے!۔

اس نے کواڑ چپکے سے کھولے۔ دور کا دریچہ بند ہو چکا تھا۔ اور باغیچے میں بھی کوئی نہ تھا۔ ہر سو رات کی تنہائی، جھینگروں کی سامعہ پاش آواز اور تاریکی کے سوا وہاں کیا تھا۔؟

ایک گہری آہ بھر کر وہ بستر پر آلیٹی۔ اور خوابگوں روشنی میں چمکتی ریڈیم ڈائل والی الارم ٹائم پیس پر نظریں جماتے ہوئے نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

دوسری سہ پہر ان سب کو حسن صاحب کے ہاں ویڈنگ ڈنر پر جانا تھا۔ صوفیہ بیگم نے اسما کے دیے ہوئے پیسوں سے بیٹی اور نواسے کے لیے تحفے خریدے تھے!۔ ان کا دل تو مسوس رہا تھا ایسا نہ ہو کہ کہیں حسن صاحب کے ہاں

مدعو امیر کبیر اور اپٹوڈیٹ مہمانوں کے تحائف کے مقابلہ میں ان کے تحفے پھیکے پڑجائیں۔ اور یہ بھی کانٹا مسلسل سرہیں ٹیس پیدا کر رہا تھا۔ وہ ساری جمع جتھا خرچ کر چکی ہیں۔ اب آئندہ کیا ہوگا؟۔

حسن صاحب نے پورے جشن کا اہتمام کر رکھا تھا۔ وہاں روشنیوں کی بہتات تھی۔ بڑے بڑے ہالوں میں قیمتی فرش تھا۔ چھت سے غبارے ہلکورے لے رہے تھے۔ کہیں باہر لان پر یا پائین باغ میں بینڈ ہولے ہولے بج رہا تھا!۔ ہر طرف خوشیاں تھیں، خوشبوئیں تھیں چہل پہل تھی اور خبر کچھ اتنی تھی کہ نیرنگی میں بدل رہی تھی۔

پاؤں تک مرصع وطلائی زیور میں گوندنی کی طرح لدی ہوئی۔ اسے مسز حسن نے اپنے ہاتھوں سے سنوارا تھا۔ بیوٹی پارلر کی خرآنٹ کہنہ مشق ہاتھوں میں تختہ مشق بننے کے لیے انھوں نے اسے بھیجا نہ تھا۔ بلکہ خود اپنی بہو کے سولہ سنگھار کیے تھے۔ اب وہ یکہم سادی تخلیق بنی دالان میں بھاری مسند پر کسی شہزادی کی طرح متمکن تھی۔ حسن اس پر اب بھی نثار ہو رہا تھا!۔

مسرور احمد شرمائے اور جھینپے ہوئے صوفیہ بیگم کے سلام کو حاضر ہوئے!۔ مشجر کی شیروانی، چوڑیدار پاجامہ اور سنہرے دستار میں ان کی جامہ زیبی حسن و خوبروی میں بدل گئی تھی۔

صوفیہ بیگم نے ان کا چہرہ اپنے سرد و مرتعش ہاتھوں میں تھام کر ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ مسز حسن اپنی اسما دلھن سے مل کر بڑی جلدی میں کسی کام کے لیے چلی گئیں اور وہ لڑکیاں جو اسما کو گھیرے بیٹھی تھیں۔ پاس ادب سے اٹھ گئیں، تب صوفیہ بیگم کو اسما سے بات کرنے کا موقعہ ملا۔! وہ بے چاری اس قدر مرعوب ہوتی جا رہی تھیں کہ انھیں اپنی بچی سے بھی بات کرنے تکلف ہو رہا

تھا! کیا باتیں کریں۔ کیا پوچھیں۔ اسے معلوم ہی کیا ہے۔ وہ کیا جواب دے گی
بہرحال ایک بے معنی سا جملہ ان کے لبوں سے نکلا۔

"بیٹی۔ یہاں تمہارا جی لگ گیا؟ گھبرائی تو نہیں ہو؟"

نہیں امی۔" اسما ماں کے دل میں مچلنے والے طوفانوں سے بے خبر تھی طفلانہ سادگی سے بولی "حسن ماموں اور ممانی امی تو بہت اچھے ہیں۔ رات میں ممانی اماں کے پاس ہی سوئی تھی۔ مجھے بہت چاہنے لگی ہیں!۔

"اچھا۔!" صوفیہ بیگم نے خوش ہو کر کہا۔ مگر کلیجے میں بھالا اتر گیا۔ کاش وہ یہ کہہ دیتی کہ وہ ساری رات روتی اور انھیں یاد کر کے ہچکیاں لیتی رہی۔

"ہاں امی۔ اور آج صبح ممانی امی نے کہا تھا کہ بس یہ دعوت ختم ہو لے تو تم اپنے گھر جا کے رہ آنا۔"

"تم ہمارے ہاں آ کے رہ جاؤ گی تو تمہاری ممانی اماں کے لیے ناشتہ کھانا کون پکائے گا؟" عذرا نے کہا۔ یہ سارا ترک و احتشام اسے اپنی ذات پر تمسخر دا ستہزا لگ رہا تھا۔ ان دولت مندوں نے ان کی تنگدستی اور غربت پر بھرپور طمانچہ مارا تھا۔ رہ رہ کے اس کا جسم آگ کے شعلے اگل دیتا۔

اسما نے حیرت سے کہا "واہ باجی۔ میں کیوں کچھ پکاتی۔ ان کے یہاں دو خانساماں ہیں۔ وہ ایسا اچھا کھانا پکاتے ہیں، ان کے مقابلہ میں ہم تو صرف نخوب کے لکھ دیتے ہیں!"

تو پھر تمہارے بھائی جان ہی ہمارے ہاں کیوں کھانے لگے ہیں؟" رشک سے کانپتے لہجے میں عذرا بولی۔

"آپ کے یہاں۔؟" اسما نے حیرت سے کہا "مجھے نہیں معلوم۔ شاید انھیں یہاں کا پکا اچھا نہ لگتا ہو۔!

اور تب۔ عذرا سب کچھ سمجھ گئی۔ کھانے کے بہانے کھلانا کسی کو مجبور سمجھ کر اس کی درپردہ مدد کرنا۔ اس نے ان کی لائی ہوئی تمام چیزیں تو دیکھ ہی لی تھیں اور سارا معاملہ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

وہ کسی سے کچھ نہ بولی۔ اور اپنے غم و صدمے کے جذبوں کو بھی بڑی خوش اسلوبی سے چھپانے میں کامیاب ہو گئی!۔

دفعتاً وہاں منصور بھی آ گئے۔ روز کے سے سیدھے سادے کپڑوں میں ملبوس سیدھی کلائی پر موگرے کے پھولوں کا ایک مہکتا ہوا ہار لپیٹ رکھا تھا!۔

"اوہ۔ باجی آپ تشریف لے آئیں۔ زہے قسمت۔! میں تو دیر سے آپ کا منتظر تھا!" وہ قمیص کے دامن گھٹنوں پر برابر کرتے ہوئے ان کے قریب بیٹھ گئے۔ ان کے لباس سے اسی خاص عطر کی خوشبو آ رہی تھی جو عذرا کے ہوش اڑانے لگتی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور غیر ارادی طور پر پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی۔

اچانک وہ اس کی طرف مڑے۔ بڑے قریب سے ان کی اور عذرا کی نظریں ملیں۔ بڑی خوبصورت آنکھیں تھیں۔ بڑی مخلصانہ نگاہیں تھیں۔ ہر دم مسکراتی ہوئی نگاہیں۔ ان کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ مگر عذرا کا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا۔

"یہ آپ کے لیے ہے۔ بڑا ناچیز سا نذرانہ۔ سنا ہے کہ خوشبو بہترین تحفہ ہوتی ہے" انھوں نے اپنی کلائی سے ہار اتارا اور عذرا کی طرف بڑھا دیا۔"

اسے اپنے بالوں میں لگا لیجیے!"

بجانے اس وقت عذرا کی تیز طراری اور مزاج کی تلخیاں کہاں تھیں۔ اس نے اضطراری طور پر ہاتھ بڑھا کر ہار لے لیا اور شکریہ ادا کیے بغیر سر جھکا کر یہ محسوس کرنے لگی کہ اس ہار میں ان کی کلائی کی گرمی ابھی

باقی ہے!۔

"شکریہ!" منصور نے مسکرا کر کہا اور صوفیہ بیگم کی طرف رخ پھیر لیا۔ پھر ہنستے ہوئے بولے "باجی۔ یہ غیر معمولی خوشی ہمیں بہت دنوں بعد نصیب ہوئی ہے۔ آج تو مجھے اپنے گھر کے در و دیوار تک مسکراتے نظر آرہے ہیں! مسرور خوش قسمت ہے کہ اسے اتنی پیاری دلھن ملی ہے۔ میری دعا ہے کہ دونوں ہمیشہ خوش و خرم و شاد و آباد رہیں" پھر وہ آواز سے ہنس پڑے "میں دونوں کا بزرگ ہوں نا۔ غالباً مجھے اسی نوعیت کی دعائیں دینی چاہئیں!

ہاں بھیا یہی دعا ہماری بھی ہے" صوفیہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔ پھر بولیں۔ "اور یہ بھی دعا ہے کہ اللہ کرے جلد سے جلد تمھارے سر سہرا بندھے کب سے شروت باجی کو تمنا ہے۔ سچ پوچھو تو پہلے تمھارا بیاہ ہونا تھا۔ یہ چھوٹے بھائی کی شادی تو بس زورا زوری میں ہوگئی ہے۔ باجی کہہ رہی تھیں تم راضی ہی نہیں ہوتے۔ کیا بات ہے۔ تمھیں اپنی ماں کی آرزو پوری کردینی چاہیے۔

منصور برابر مسکراتے رہے تھے۔ بولے "مسرور کی شادی تو اس لیے ہوگئی کہ وہ تعلیم ختم کرکے برسر روزگار ہوگیا ہے۔ اب مزے میں بیوی کو کھلائے گا خود کھائے گا۔ میرا تو یہ ہے کہ ابھی میری پڑھائی ادھوری ہے۔ دو سال مزید باقی ہیں۔ اگر میں شادی کرلوں تو بتایئے میری گزر کیسے ہوگی۔ ڈیڈی پر کتنا بوجھ پڑ جائے گا۔ امی بھلا آگے پیچھے کیا سوچتی ہیں۔ لیکن مجھے تو سوچنا ضروری ہے"

اچانک سوچے سمجھے بغیر صوفیہ بیگم نے ان پر بم پھینک دیا "شوکت بھائی کی لڑکی صبا سے تمھاری منگنی ہوچکی ہے۔ اب وہ کب امریکہ سے آرہے ہیں آخر انھیں بھی تو خیال ہوگا کہ لڑکی کو جلدی اٹھانا ہے۔ باجی نے تو شاید خط

لکھا ہے۔ کچھ جواب آیا۔؟۔

منصور کا مسکراتا ہوا چہرہ آنِ واحد میں پھیکا اور بے رنگ ہو گیا۔ فوری انھیں کوئی جواب بھی نہیں سوجھا تھا مگر دل ہی دل میں وہ سخت برہم ہو گئے یہ اپنی واہیات راز کی باتیں امی سب سے کیوں کرتی پھرتی ہیں!۔

"صوفیہ!" ایک طرف سے لاؤڈ اسپیکر گرجا۔

ہائے اللہ توبہ۔ میں حسن بھائی سے ملی ہی نہیں" صوفیہ بیگم بوکھلا کر انچل سر پر آنچل اوڑھا اور جھک کر انھیں سلام کیا۔

ارے بھئی خوش ہوا اپنے داماد سے" وہ بھاری آواز سے ہنسے" ہم نے تم سے رائے لیے بغیر تمھاری بچی ہتھیالی" انھوں نے قہقہہ لگا دیا" کچھ ناراض تو نہیں ہو۔ باہر میں نے دیکھا کہ صفدر منھ پھیلائے گم صم بیٹھا ہے۔ تعجب، خیر تو۔ ارے وہ تو بڑا مسخرہ آدمی ہے۔ دوستوں کو ہنساتا ہے۔ پھر آخر اسے کیا ہوا۔ بہت اداس اور مغموم لگ رہا ہے۔ کیا جی اچھا نہیں ہے۔ میرے لاکھ پوچھنے پر بھی نقلی ہنسی میں مجھے ٹالتا رہا!"

"نج۔ جی ہاں۔ وہ رات سے سر میں درد تھا" غنیمت تھا کہ عذرا کے گھورنے پر صوفیہ بیگم کو وقت پر عقل آگئی" دیر تک نیند نہیں آئی تھی۔ شاید اس لیے"

اچھا اچھا۔ یہ بات ہے" حسن صاحب سے عذرا کا گھورنا اور صوفیہ بیگم کا ہکلانا پوشیدہ نہ رہا۔ بولے" تو پھر جلدی سے کھانا دانا ہو جانا چاہیے۔ گھر جا کے آرام کرے۔ مگر یہ کیا لغویت ہے۔ وہ مہمانوں کی طرح باہر بیٹھا ہے بھئی یہاں سب اپنے ہیں۔ منصور اسے بھی یہیں بلا لاؤ!"

جی۔!" منصور اٹھ کر چلے گئے۔

عذرا بیٹی۔!"

جی ماموں جان۔! عذرا چونک کر کھڑی ہو گئی۔

"تم ڈائیننگ ہال پر ایک نظر ڈال لیتیں۔ وہاں کا انتظام ملازم کر رہے ہیں۔ مگر ان کی بھی نگرانی ضروری ہے۔ تم چونکہ گھر کی بچی ہو۔!"

عذرا پوری بات سنے بغیر ڈائیننگ ہال کی طرف چلی گئی! حسن صاحب نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں:

"بڑی غصہ ور معلوم ہوتی ہے"

وہ چپ رہیں! حسن صاحب نے پاس آ کے بڑی رازداری سے پوچھا۔

"ہاں۔ یہ صفدر کی دوسری ملازمت کا کچھ ہوا۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ وہ اسی لیے پریشان ہیں!۔ میں تو ان سے کچھ پوچھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ انھیں برا نہ لگے بیٹی تم بتاؤ۔ اب گھر کا خرچ کیسے سنبھال رہی ہو؟"

صوفیہ بیگم کو عذرا کی ملازمت کی خبر ہی نہ تھی۔ انھوں نے ایک دفعہ پھر جھوٹ بولا "جی بھائی صاحب وہ میں نے تھوڑا بہت جوڑ کر رکھا تھا"

دیکھو صوفیہ۔ میں تم سے بیس بائیس سال بڑا ہوں" حسن صاحب نے کہا: یعنی کہ تمھارے باپ کے برابر۔ لہٰذا مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ میں صفدر سے تمھاری کوئی بات نہ کہوں گا۔ اگر تمھیں کچھ ضرورت ہو تو خدا کہنے میں تکلف نہ کرو!"

صوفیہ بیگم کے ذہن میں الماری کا وہ خانہ گھوم گیا۔ جو بھوکے کے پیٹ کی طرح خالی تھا۔ مگر ان کے سارے مجبور احساسات پر غیرت غالب آگئی" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"آپ سے کوئی تکلف نہیں حسن بھائی۔ مگر سچ کہتی ہوں۔ ابھی کوئی

ضرورت نہیں ہے!۔ جب ہو گی میں آپ سے کہہ دوں گی!"

صفدر صاحب آتے نظر آئے۔ دوسری باتیں ہونے لگیں۔

اب یہ اتفاق تھا کہ مسز حسن نے منصور کو بھی باہر کے انتظام پر ایک نظر ڈالنے کے لیے بھیجا تھا!۔ انھوں نے ہال میں قدم رکھا اور ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے!۔ عذرا کی موجودگی کا وہاں بعید ترگمان بھی نہ تھا!۔ ان کے چہرے پر پھر لالہ گلاب کھلنے لگے! عذرا نے انھیں دیکھا۔ مگر کوئی خیال نہ کیا۔

"امیر کبیر خاندان کے لاابالی صاحبزادے۔ کسی کی امانت، تفریح پسند منگیتر دور ہے۔ لہٰذا وقت گزاری کے لیے کسی اور لڑکی کی تلاش ہے لیکن وہ دوسری لڑکی وہ عذرا نہیں ہے۔ !دھوکے باز، مکار، جھوٹے، کبھی اپنی منگنی کا تذکرہ نہیں کیا۔ اگر آج امی نہ کہتیں تو شاید وہ کوئی دھوکا کھا لیتی۔ اب اس کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ نہیں! اسے کسی کی وقت گزاری، تفریح اور جعلسازی کا نشانہ بننا نہیں ہے!"

حیران ہوں کہ امی نے آپ کو یہاں کیوں بھیجا ہے"۔ منصور نے کہا۔ "انھیں تو کسی کے کام سے اطمینان ہی نہیں ہوتا۔ بھلا مجھے تو بھیجا ہی تھا!۔ خیر۔ چلئے۔ اچھا ہی ہوا۔ یہاں تو سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ فی الحال ڈنر کے شروع ہونے میں کچھ دیر ہے۔ آئیے۔ ہم ادھر ہی سے باغ میں چل کے بیٹھیں وہاں سبزے پر ہم نے رنگوں کی بنچیں ڈلوائی ہیں۔ موسم بہت اچھا ہے چونکہ گرمیاں شروع ــــ!"

عذرا ایک ملازم سے مخاطب ہو گئی "یہ گلدانوں میں گھاس پھوس کیا لگا رکھی ہے۔ اس کی خوشبو کتنی ناگوار ہے۔!

کینر کی پتیاں ہیں صاحب!" ملازم ڈرتا ڈرتا بولا۔

کس نے لگوائی ہے ؟"

"بڑے سرکار نے حضور! !"

"پھینک دو اٹھا کے باہر۔ ان کی بدبو اچھی نہیں لگ رہی!"

"کیا سارے گلدانوں سے نکال کے پھینک دوں ؟" ملازم حیران رہ گیا تھا۔

"ہاں ۔!" وہ الماریوں کی طرف مڑ گئی!

جب ملازم گھاس نکال لے گیا تب منصور اس کے قریب آئے۔ اس نے ایک برہم نگاہ ان پر ڈالی تھی۔

میں اتنی دیر سے کھڑا ہوں۔ لیکن آپ نہ میری طرف دیکھ رہی ہیں نہ مجھ سے بات کرنا آپ کو پسند ہے۔ براہ کرم بتا دیجئے کہ مجھ سے آپ کی جناب میں کیا قصور ہوا ہے۔ میں معافی مانگ لوں۔!"

کام کر رہی ہوں!" عذرا بولی۔ اسے یہ ظاہر کرنا مقصود نہ تھا کہ ان کی منگنی کی خبر نے اسے دہلا کے رکھ دیا تھا۔ وہ خود کو سبک و خفیف کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ ہزار بار وہ منگنی کریں۔ لاکھ بار شادی کر لیں۔ اس کی بلا سے!۔ اس نے حتی الامکان ان سے الگ اور لیے دیے رہنے کا عہد کر لیا تھا!۔ پتہ ہی نہ چلے کہ ان کی منگنی کا اس پر رتی بھر اثر ہوا تھا۔

آپ کام ہاتھ سے کر رہی ہیں۔ زبان سے نہیں!"

"کیا باتیں کروں" وہ بدستور بدتمیز اور گستاخ سی بنی رہی۔

میں نے اچھی طرح محسوس کیا ہے کہ آپ مجھ سے کتراتی پھرتی ہیں! اس کی کیا وجہ ہے؟"

"خوامخواہ ۔!"

"کتنی بار میں نے اندازہ لگایا ہے کہ میں جب بھی تمھارے گھر آتا ہوں۔ تم مجھے دیکھ کر دوسری طرف چل دیتی ہو۔ مجھ سے بات کرنا بھی گوارہ نہیں کرتیں یہ سب میری آنکھوں کا دھوکا نہیں ہے۔"

"وہم ہے!"

"وہم نہیں ہے۔ آدمی کے سلوک کو میں اچھی طرح پہچانتا ہوں!"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں!"

"میں صرف تمھارے معاندانہ سلوک کی وجہ جاننا چاہتا ہوں!"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے آپ کی میٹھی میٹھی بولیاں پسند نہیں ہیں۔ مل بیٹھنے کے بعد جو غلط فہمیاں آپس میں پیدا ہوتی ہیں۔ مجھے وہ بھی پسند نہیں ہیں۔ میں نے آج تک کبھی کسی غیر آدمی سے باتیں بھی نہیں کیں۔ مجھے گوارا نہیں ہے کہ ہم پر مشکوک انداز میں انگلیاں اٹھیں۔ آپ سمجھے؟"

"بخدا یہ بہتان ہے مجھ پر۔" منصور حیران تھے۔ انھوں نے احتجاج کیا "میں نے تمھارے سامنے کبھی فضول واہیات اور عامیانہ باتیں نہیں کیں۔ میں جانتا ہی نہیں وہ باتیں کیسی ہوتی ہیں جن سے غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ ذلیل پست خیال لوگ کون ہیں کہاں ہیں جو ہم پر انگلیاں اٹھائیں گے؟۔ یہ سب تم کیا کہہ رہی ہو۔ عذرا میں حیران ہوں۔۔!"

"آپ بھول گئے۔" وہ تلخ انداز میں ہنس دی "سب سے پہلے آپ نے مجھے بیچ سڑک پر ٹوکا تھا۔ پھر آپ میرے اسکول جیپ لے کے پہونچ گئے تھے ایک مرتبہ آپ کا دل چاہا تھا کہ آپ مجھے اپنے ساتھ شوپنگ سنٹر لے جائیں آخر کیوں۔ بتایئے۔ کیوں۔؟ آپ تو بڑی دور اکیلے ہوسٹل میں رہتے تھے

وہاں تو ایسا کوئی ساتھی آپ کا نہ ہوگا۔ آپ تنہائی کے عادی ہوں گے
پھر یہاں میرے ساتھ کے لیے آپ کیوں اتنے خواہشمند ہیں؟"
"میں تمھیں کیسے سمجھاؤں کہ تمھارے خیالات اور محسوسات صحیح نہیں
ہیں!" منصور اب عاجز و لاجواب ہوئے جا رہے تھے! "مجھے طریقہ بتاؤ
کہ میں تمھاری یہ غلط فہمی دور کر سکوں۔ اسی طرح تو میں بہت پریشان
ہوں گا!"

"میری کسی غلط فہمی سے آپ کا کیا نقصان ہو رہا ہے!"
"نقصان اور فائدہ۔ دور کی بات ہے۔ میں تو یہی پسند نہیں کرتا کہ میری
وجہ سے کوئی غلط فہمی میں مبتلا رہے!" منصور نے کہا۔
"جب کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہ ہو تو خوش فہمی اور غلط فہمی کا کوئی
سوال نہیں پیدا ہوتا!"
"سروکار۔۔!" منصور کے لب خشک ہونے لگے "میں تو سمجھا کہ۔ سچ کہنا
کیا مجھ سے۔ تمھیں۔ کوئی۔ لگاؤ نہیں؟"
"بالکل نہیں!"
"سچ کہہ رہی ہو۔؟"
"آپ کو اس میں شک، نہ ہونا چاہیئے۔!"
"ٹھیک ہے!۔ منصور نے ایک زخمی نظر اس پر ڈالی اور مڑ کر چلے
گئے!۔ ان کے پیٹھ پھیرتے ہی اس کے چہرے کی برہمی مر گئی۔ تاسف، شکست
کا احساس، اپنے نامناسب سلوک کا ادراک، جانے کون کون سی بات کا
دکھ اسے ستانے لگا!۔
"میں مجبور ہوں اس پر۔" دل ہی دل میں وہ سسک پڑی "یہ میرے

دل میں ان کی محبت کا شہد قطرہ قطرہ اکٹھا ہوتا رہے اور میں زبان سے زہر ٹپکاتی رہوں۔ میرے مجبور ماں باپ، میرے چھوٹے مظلوم بھائی، میرا افلاس، میری مجبوریاں۔ ۔ وہ ۔ ۔ وہ تو زمین کا فرشتہ ہے، خوب صورت سیرت، مگر ۔ ۔ وہ میرا نہیں ہے۔ میں اس کی دور رہنے والی منگیتر کو نہیں بھول سکتی۔ کل کلاں کو وہ آ جائے گی۔ اس کی دھوم دھام سے شادی ہو جائے گی۔ اور مجھے زندگی بھر اس کی یاد محبت کے جہنم میں کلپنا اس کے قرب کی چاہت میں تڑپنا اور اپنی ساری زندگی کو دوزخ بنانا نہیں ہے۔ بس۔ یہ پہلے پہل کی مغایرت، نفرت، احتیاط اور دوری ہی اچھی ہے۔ بلا سے۔

دل ٹوٹنے سے تھوڑی سی تکلیف تو ہوئی
لیکن تمام عمر کو آرام ہو گیا ——!

حسن صاحب کی گرجدار آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ وہ دوسرے دروازے سے باہر نکل گئی۔

مسرور اسما کی شادی ایک خوشگوار انقلاب تھی! جس نے دو خاندانوں کو ایک کر دیا۔ لیکن تکلف اور حجاب کی دبیز دیوار بیچ میں بدستور حائل رہی۔ لڑکے کی شادی کے بعد حسن صاحب ایک طویل سفر دے پر پھر نکل گئے! مسز حسن ایک بار پھر بیمار ہو گئیں۔ اور منصور نینی تال کے لیے پر تولنے لگے! ۔ یہ سب کچھ چپکے چپکے ہوا کیا۔ کسی کو کسی کے ارادے اور بود و باش کی خبر ہی نہ تھی کہ یکبارگی ایک بم پھٹ پڑا۔ جس نے اگر مسز حسن کو سر بمہ

کر دیا تھا تو منصور کے دل و دماغ کے بھی پرخچے اُڑا دیے ۔!
ایک دوپہر جب کھانا ہو چکا تھا اور انتخار اپنے لطیفوں سے سب کو ہنسا رہا تھا انھیں ہنسی کا تاوان ادا کرنا پڑ گیا ۔
ملازم نے چمکدار ٹرے میں رکھا ہوا ایک خاص لفافہ پیش کیا جس کے سرنامے پر نظر پڑی ہی تھی کہ مسز حسن کے چہرے کا رنگ اڑتا دکھائی دیا اور منصور کا چہرہ بھی پھیکا پڑ گیا ۔
غالباً آپ کے بھائی صاحب کا جواب ہے ۔" انھوں نے طنزیہ لہجہ اختیار کیا ۔" اب ان کا فیصلہ صرف آپ کو بھگتنا ہے امی ۔ مجھے نہیں ؟ ۔ کیونکہ میں عنقریب یعنی تال جا رہا ہوں ۔"
بن موت مجھی کو مرنا ہے اور کیا ۔" مسز حسن نے ناخوشگوار لہجے میں کہا ۔" ابھی پڑھا نہیں ان کا حکم نامہ اور تم ماں پر اپنے فیصلے ٹھونسنے لگے ۔"
"پڑھیے ۔ پڑھیے ۔" منصور نے کہا ۔" اور جلد مجھے بھی آگاہ فرمایئے ۔ مجھے ابھی اپنا رخت سفر بھی تو درست کرنا ہے !"
بیٹا یہ کیسی باتیں اپنی عادت کے خلاف کر رہے ہو ۔" مسز حسن تعجب سے بولیں ۔" کیا کسی سے جھگڑا کر کے بیٹھے ہو ؟ ۔ غصہ بے قصور ماں پر اتار رہے ہو !"
نہیں امی ۔ غصہ مجھے کبھی نہیں آتا ۔" منصور نے جواب دیا ۔" منصور نے جواب دیا ۔" بس ناانصافی کا شکار ہوتا ہوں تو احتجاج کرنے لگتا ہوں ۔! خیر ۔ آپ اپنے بھائی صاحب کا مکتوب گرامی پڑھیے ۔!"
لفافہ چاک کیے بیٹھا انتخار ماں اور بھائی کی جھڑپ سن رہا تھا ۔ مستعدی سے بولا ۔" اجازت ہو تو میں پڑھ دوں ۔!

مسز حسن نے چپکے سے کہا "ہوں۔!"
منصور نے چہرہ پھیر لیا۔ انتخاب جانے کیا کچھ پڑھے جا رہا تھا۔ اخیر میں منصور نے صرف اتنا سنا۔

۔ لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ صبا کو تنہا بھیج دوں۔ آپ اس کی ماں کے برابر ہیں اور وہ بھی آپ کی امانت ہے۔ آپ کے فیصلے پر سر جھکاتے ہوئے بس دل کی گہرائیوں سے اتنا عرض کرتا ہوں کہ آپ اسے اپنی کنیز بنا لیجئے اور مجھے مطلع فرما دیجئے۔ آپ کے جواب کا انتظار کر کے میں اگلے خط میں کچھ مختصر سی رقم آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ ابھی مزید دو ڈھائی سال تک میں نہیں آسکتا۔ اور چونکہ بچوں کا ساتھ ہے۔ لہذا زیبا بھی نہیں آسکتیں۔ صبا سے کہئے کہ اپنے پہونچنے کا ٹیلی گرام فوراً دے۔ اور آپا جان آپ بھی فوراً ہی خط لکھ دیجئے گا! ۔ زیبا تسلیم عرض کرتی ہیں۔ امید ہے کہ آپ سب بخیریت ہوں گے۔ منصور میاں اور بچوں کو ہم سب کی جانب سے بہت بہت دعائیں۔ فقط

آپ کا شوکت علی خاں !!

منصور کا چہرہ لالہ فام ہو رہا تھا۔ اپنا اشتعال بے حد ضبط کر کے انھوں نے کہا "یہ نہیں لکھا کہ محترمہ کون سے جہاز سے کس تاریخ کو نزول اجلال فرما رہی ہیں۔ میں جا کے انھیں لے آتا۔ تنہا تشریف لا رہی ہیں۔ خدا اور ہمت عطا کرے یہ آپ کی بھانجی صاحبہ بہت دلیر معلوم ہوتی ہیں!۔
صبا یعنی کہ۔ شوکت ماموں کی صاحبزادی نا؟" انتخاب کھلا کر سر سہلاتا ہوا بولا "تو وہ کیوں آ رہی ہیں۔ آپ نے انھیں کیا لکھ دیا تھا جس

پر وہ سر جھکا رہے ہیں۔ اور امی۔ یہ رقم کا کیا معاملہ ہے!"
منصور مُڑ کر ماں کو دیکھنے لگے " یہ پوچھنا میں بھی بھول گیا تھا کہ آپ کے کس فیصلے پر شوکت صاحب نے اتنی فرمانبرداری سے سر جھکا دیا ہے۔!"

"میں نے لکھا تھا کہ۔!" مری ہوئی آواز میں مسز حسن نے جواب دیا " کہ۔ اگر تمہیں اپنی لڑکی۔ ہمارے ہاں بیاہنا ہو تو۔ اور اگر نہ بیاہنا ہو تو بھی فوری جواب سے مطلع کرو۔ اور بس۔ یہی لکھا تھا میں نے۔!"

ایک گہری سانس منصور کے سینے سے نکلی " بڑی عمدہ بات لکھ دی تھی آپ نے بیاہنا ہو تو۔ تو اب بیاہ دیجئے اسے۔ آرہی ہے وہ۔ اور ایک حقیر رقم بھی اس کا باپ بھیج رہا ہے۔ یہاں چونکہ افلاس ہے لہذا۔ نہیں۔ نہیں امی " وہ یکایک پاگل سے ہو گئے " یہ ناممکن ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا!۔ میں کبھی کسی حال میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔ اگر آپ کو مجھ سے محبت ہے۔ اور آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں ہمیشہ کے لیے آپ کا گھر چھوڑ کے نہ بھاگوں تو فوراً اسے ٹیلی گرام دلوا دیجئے۔ وہ فی الحال یہاں نہ آئے۔ امی۔ اس کے آنے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ انتظار اس خط پر ان کا پتہ درج ہو گا۔ جاؤ۔ فوراً تار دے آؤ!"

مسز حسن میں بولنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ دل میں پھر ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ کمزور آواز میں کہا " کیا کہہ کے تار دے گا!"

"یہ آپ بتائیے۔ کیونکہ آپ ہی نے لکھا تھا کہ لڑکی کو بیاہنا ہو تو فوراً مطلع کرو" کیا میری زندگی اور مرضی آپ سے بڑھ کے ہے۔!"

میرے بچے تیری یہ مجبوری ہی تو مجھ سے دیکھی نہیں جاتی!" مسز حسن نے کہا۔ "مجھے تیری خوشی عزیز ہے بیٹا۔ میرا کیا۔ انکار کر دوں گی۔ کون سی ان کی دشمنی

سے میری جاگیر چھن جائے گی !۔

انھوں نے منصور کی پیشانی پر بوسہ دیا اور انھیں سینے سے لگا لیا۔ تب منصور کی پلکیں نم ہو گئیں۔ وہ کھنکھارے اور اٹھ کر چلے گئے۔!

افتخار نے انھیں دور تک جاتے دیکھا پھر ادھوری سانس لے کر بولا "امی تو پھر آپ نے بتایا نہیں کس مضمون کا تار دوں؟۔

بتایا تو تھا۔ ابھی نہ آئے۔ میں مفصل خط لکھ رہی ہوں!"

جی بہت اچھا" وہ اٹھ کر چلا گیا۔

اسماء ہیں بیٹھی تھی۔ اور سارا ماجرا سن رہی تھی۔ اس نے منصور کی آنکھیں جھلملاتے دیکھ لی تھیں۔ اسے ان سے بہت محبت تھی۔ اور کسی بہانے ان کے پاس جانا چاہتی تھی۔ لہٰذا وہ اپنی خوشدامن محترمہ سے بولی۔

"امی چائے پیجیے تو میں بنا لاؤں

ہاں میری چاند۔ تو نے میری زبان سے بات چھین لی" وہ اس کی گال پیار سے چھو کر بولیں: "ان لڑکوں سے بک بک کرتے سر دکھنے لگا ہے۔!"

"امی کیا بھائی جان آپ کی بھانجی سے شادی کرنا نہیں چاہتے!"

وہ تو شروع ہی سے اس لڑکی کو پسند نہیں کرتے۔ کچھ تیز طرار اور بد مزاج سی ہے۔ مگر اس کا کیا۔ عمر کے ساتھ ساتھ سمجھ آ ہی جائے گی۔ دراصل بات یہ تھی کہ ابا جان کی جائداد کے بٹوارے میں کچھ تکرار مجھ میں اور شوکت میاں میں ہو گئی تھی۔ بہت دنوں تک ہم میں مخالفت رہی۔ اب بی بی لاٹھی مارے پانی جدا تو ہوتا نہیں۔ امی جان کے مرنے کے بعد مجھے پھر اس کی یاد ستانے لگی۔ وہ بھی آ کے میرے گلے لگ گیا۔ ہم نے ایک دوسرے کو معاف کر دیا اور سوچا کہ تعلقات کو مضبوط کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کیا ہے کہ اپنے بچوں کو بھی شادی کے

بندھن میں باندھ دیں۔ یہی سوچ کے منصور سے صبا کی رسم کر دی تھی۔! پھر وہ اپنے باپ کے ساتھ امریکہ چلی گئی۔ یہ پڑھائی کے لیے نینی تال چل دیے۔ ڈھائی سال ہونے کو آ رہے ہیں۔!"

"وہ آئیں گی تو کیا بھائی جان ان سے شادی کر لیں گے؟"

"نہ بی بی نہ۔ جس میں میرا بچہ راضی اس میں میں راضی۔ میرا کیا۔ آج گھر میں کل گور میں۔ زندگی تو اسے گزارنی ہے۔ وہ ناخوش رہا تو شادی برباد ہو کے رہ جائے گی۔! اگر وہ لڑکی اب آئے گی ہی کاہے کے لیے۔ تار اسے پہونچ جائے بس مجھے اطمینان ہو جائے۔ دھڑکا مجھے تمھارے ڈیڈی کا بھی لگا ہے۔ کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو مجھی کو وہ بھی کہیں گے کہ مجھ سے مشورہ لیے بغیر یہ تم نے کیا کھیا میں گڑ بڑ ہو رہا ہے۔"

اسما جب چائے لے کر منصور کے کمرے میں گئی تو دیکھا کہ وہ کرسی پر بیٹھے تھے اور میز پر سر اوندھا رکھا تھا! اسما کے دل پر دھکا سا لگا! کتنا شریف آدمی ہے۔ ماں کے آنسوؤں پر خود کو بھینٹ چڑھانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس کی نظروں میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔! اس نے انھیں آواز دی۔! پاس جا کر پیالی میز پر رکھ دی! منصور نے سر اٹھایا۔ عجیب سا چہرہ تھا۔ جس پر دکھ، مایوسی، اداسی اور جانے کیا کچھ محیط تھا!۔ انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"تم کتنی اچھی بچی ہو۔ تمھیں کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ میرا دل چائے پینے کو چاہ رہا تھا!؟"

"کیسے معلوم نہ ہوتا۔ آپ میرے اتنے اچھے بھائی نہیں ہیں کیا؟"

"یہ بات تو بالکل سچ ہے" انھوں نے پیالی اٹھالی اور چائے کے ہر ہر گھونٹ پر اسما کی تعریفوں کے پل باندھتے گئے۔

"بھائی جان۔ آپ کو۔ وہ۔ صبا۔ اچھی نہیں لگیں؟"۔ اسما نے پوچھا۔

صاف صاف منصور نے کہا: "نہیں بی بی بالکل نہیں"۔

"کیوں۔ بھائی جان۔ ان میں کیا کوئی خرابی ہے؟"۔

ان میں کوئی خرابی نہیں"۔ منصور نے جواب دیا۔ اور کپ نیچے فرش پر رکھ دیا۔ "لیکن جب سے میں نے ایک اور لڑکی دیکھی ہے۔ بس وہ محترمہ نظروں سے اتر گئیں۔!

"پھر وہ اچھی لڑکی کہاں ہے۔ کون سی ہے؟"

ہے ایک! وہ مسکرا کر بولا: "دل سے قریب ہے۔ مجھ سے دور ہے۔ کبھی میرے پاس آگئی تو بتا دوں گا۔!

ضرور بتایئے گا۔ اب میرا بھی دل چاہتا ہے کہ آپ دولھا بنیں۔ آپ دولھا بن کر کتنے اچھے لگیں گے"۔ اسما پیار سے ہنسنے لگی۔

کوئی اچھا نہیں لگوں گا۔ دیکھا نہیں تھا سرور کو۔ سہرا لپیٹ کر کتنا بیوقوف لگ رہا تھا!"

جایئے۔ ہٹیئے۔! وہ شرمائی اور کپ اٹھا کر بھاگ گئی۔

منصور نے سگریٹ سلگایا اور خود کو سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ بہہ جانے دیا۔ جانے کتنے خیالات تھے جو ذہن میں دھوئیں ہی کی طرح چکرا رہے تھے۔

عذرا کی بے رخی اور سرد مہری نے انھیں بہت تکلیف پہونچائی تھی۔ وہ اسے بہت نرم، نازک، اور لچکدار لڑکی سمجھتے تھے۔ جو ان کی ہمدردی، خلوص اور محبت پاش انداز پر بہل جاتی اور اپنا دل کھول کر ان کے سامنے رکھ دیتی ان کے جذبۂ ہمدردی کو سراہتی۔ انھیں اپنا نجات دہندہ سمجھتی۔ ان کی مدد پر اپنا آرام خرید لیتی۔ ان کے قرب کو غنیمت جانتی۔ ان کے گھر آنا باعث فخر

سجھتی۔ لیکن اس نے اپنی بے اعتنائی سے منصور کے سارے تصورات کو خاک میں ملا دیا۔ ان سے سیدھے منھ تک نہ بولی۔ ان کی شرافت، نیک نفسی اور عالی ظرفی کو خاطر ہی میں نہ لائی تھی۔ تب بھی کیا۔ اسے اتنی بے رخی کرنا واجب تھا!۔ وہ اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اس کی صورت سے اس کی سیرت سے۔ وہ عام لڑکیوں سے بہت بلند تھی۔ سنجیدہ باوقار طبیعت کی مالک۔ اٹل اصولوں پر کاربند۔! مگر وہ ان سے بیزار کیوں تھی؟۔ منصور کو بڑی شدت سے اس کا احساس تھا!۔

انھیں صفدر صاحب کی کسمپرسی کا بھی بہت افسوس تھا۔ ایک زندہ دل اور خوش مزاج انسان یوں مردہ دل اور مایوس ہو رہا تھا۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنے نام کی تمام رقم بینک سے نکالیں اور صفدر صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیں لیکن ایسا قدم اٹھانے کی ان میں ہمت نہ تھی۔ انھیں علم تھا کہ عذرا ٹیچری کر رہی تھی۔ گو کہ اس نے بتایا نہ تھا مگر اسکول کی مددگار نے بتا دیا تھا منصور کو فکر تھی۔ اگر وہ یہی کرتی رہ گئی تو اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکے گی! مگر وہ اس کے لیے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ عذرا ان کی دشمن بن جاتی!۔ تب؟ کیا کیا جائے!!۔

اگر وہ ان کی ہو جاتی تو سارے دکھوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ وہ اگر چپکے سے صوفیہ بیگم کی مدد کرتے تو عذرا کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ لیکن یہ تو پاگل خواب تھا۔ بے تعبیر خواب پریشاں۔ عذرا کو راہ پر لانا اسے سمجھانا جوئے شیر لانا تھا۔ ناممکن سی بات۔ وہ تو سنگ خارا تھی۔ اس سے پسینہ پھوٹنے کی تمنا رکھنا پاگل پن تھا۔

پھر بھی کسی نہ کسی طرح انھوں نے نظام و عزیز کے بہلنے کا سامان تو کر

ہی دیا تھا۔ بہانے بہانے بہت کچھ انھیں دے آئے تھے۔ اور اس خیال سے کہ کسی کو شبہ نہ ہو، وہ کبھی ناشتے پر کبھی رات کے کھانے پر پہونچ بھی جاتے تھے۔!

صفدر صاحب اور صوفیہ بیگم شدت سے احتجاج کرتے۔ کیا وہ انھیں کھلا پلا نہیں سکتے؟ آخر ایک آدمی کے ایک وقت کے کھانے کے لیے اتنی مقدار اور تعداد میں ان چیزوں کی کیا ضرورت تھی؟ مگر وہ ہنس کر سنی ان سنی کر دیتے ان کو بہرحال سکون سا ہوتا تھا۔ بچے اپنی من چاہی چیزیں کھا پی رہے تھے!

چاہے صفدر صاحب اور صوفیہ بیگم منصور کے اس پلان کو سمجھ نہ سکے ہوں۔ مگر عذرا پر ان کا سلوک آئینہ ہو چکا تھا۔ اسما نے کہہ دیا تھا۔ ان کا اپنا خانساماں جو کبھی کسی نواب کا باورچی رہ چکا تھا۔ بہت عمدہ چیزیں تیار کرتا تھا، پھر کیا وجہ تھی کہ وہ صوفیہ بیگم کے ہاتھ کی پکی ہوئی چیزیں زمین آسمان ایک کر کے کھاتے تھے۔ اور اب وہ منتظر تھی کہ منصور صاحب کو بھی آئینہ دکھا دے۔

پھر اسما جو روز ایک چکر اپنے گھر کا لگا لیا کرتی تھی۔ وہ اپنے سسرال کی نئی الجھن کا حال ماں اور بہن کے سامنے کہہ گئی!۔

"ان کی منگیتر آ رہی ہیں" عذرا پر شدید ڈپریشن کا حملہ ہوا۔ جیسے وہ پاتال میں اترتی چلی گئی۔ وہ اپنی کیفیت کا تجزیہ کرنے سے قاصر تھی۔ اسے منصور سے کوئی مطلب نہ تھا۔ تب پھر ان کی ایک درجن منگیتریں آ جائیں اس کی بلا سے۔ وہ کیوں متاثر ہو رہی تھی!؟۔

"مگر وہ کہہ رہے تھے کہ انھیں اپنی منگیتر پسند نہیں ہیں" اسما نے مزید اطلاع دی "کہہ رہے تھے کہ ایک اور لڑکی انھیں پسند کر رکھی ہے۔ کبھی ملے گی تو تمھیں بھی دکھاؤں گا۔ ان سے بہت دور رہتی ہے۔ وہ اسی سے شادی کریں گے!"

"وہ لڑکی۔ کیا نینی تال میں رہتی ہے" لہجہ ترو تازہ کر کے عذرا نے

پوچھا۔ وہیں ہوگی" اسما بولی "یہی کہہ رہے تھے کہ بڑی دور رہتی ہے۔ اور اگر صبا یہاں آئیں گی تو میں نینی تال بھاگ جاؤں گا!"

"دور پڑھنے والے لڑکے ایسی ہی حرکتیں کرتے ہیں" عذرا نے کہا۔

نہیں باجی منصور بھائی کو کچھ نہ کہیئے" اسما نے کہا "وہ بہت اچھے بہت پیارے ہیں۔ ان کا سا شریف ہونا مشکل ہے۔ اب یہ تو اپنی پسند کی بات ہے نا؟ جو لڑکی انھیں اچھی نہیں لگتی۔ وہ اسے کیوں سر پر منڈھ لیں۔ آپ خود کو دیکھئے۔ آپ کو کوئی پسند نہیں آتا۔ آپ نے آج تک اماں کا کہنا نہیں مانا۔ پھر وہ کیوں اپنی ماں کا کہا مان لیں۔؟"

اچھا اچھا۔ بہت بولنے لگے ہو۔!" کھسیا کر عذرا بولی۔

نظام اور عزیز نے مل کر طعام خانے میں رات کے کھانے کا سامان سجا دیا۔ اور منصور کے منتظر ہو بیٹھے۔ وہ ہاتھ دھو کر آئے اور میز پر نظر ڈالی۔ مرغ مسلّم دال بھرے پراٹھے، تلے ہوئے انڈے۔ ورقی چھلکے، بگھارے چاول اور آم کا اچار نہ جانے کیا کچھ میز پر تھا! اور ایک گوشے میں مسور کی بھونی دال بھی رکھی تھی!۔

منصور نے نیپکن زانوؤں پر پھیلا دیا۔ اور صفدر صاحب سے بولے"۔ "بسم اللہ کیجئے"! صفدر صاحب کا چہرہ بدستور مغموم و افسردہ تھا۔ انھوں نے ہولے سے کہا "دیکھو منصور، میرا مشورہ ہے کہ آئندہ سے تم اتنا تکلف نہ کیا کرو۔ بد دعوت میں کھایا جانے والا سامان ہے۔ اس کے علاوہ بچوں کی

عادتیں بھی بگڑ رہی ہیں۔ اب انھیں ذرا سادہ غذا کا عادی ہونا ہے۔ برا مت ماننا۔ ویسے تم ابھی برسرِ روزگار بھی تو نہیں ہوئے۔ تمھارے لیے یہ فضول خرچی کہاں تک مناسب ہے؟"

"ارے۔ یہ آپ کیا تکلف کی باتیں کر رہے ہیں صفدر بھائی" منصور نے کہا۔ وہ سب کی خاطر دکھا دے کو بچوں کے سے ننھے ننھے لقمے اٹھا رہے تھے۔ اور ان کی نظریں عذرا پر بھی تھیں۔ جو کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگا رہی تھی۔ مسور کی دال کھا رہی تھی روکھے پھلکوں کے ساتھ۔ منصور کا دل جو بڑی دیر سے دکھ رہا تھا۔ زیادہ مجروح ہو گیا۔ اسے اتنی نفرت ہے مجھ سے۔! تو پھر میں ڈھیٹ بن کر کیوں چلا آیا ہوں یہاں۔؟ ضبط کی کوشش میں ان کے سینے میں درد شروع ہو گیا۔! اپنی کوئی سنگین خطا ایسی نظر نہ آئی جس کی سزا اتنی سخت مل سکتی!۔

صفدر صاحب جو منصور کے بالکل پاس بیٹھے تھے انھوں نے بہت چپکے سے کہا "دراصل اب وہ میرے نہیں رہے۔ گئے منصور میاں۔ یہ تو تمھاری بہن نجانے کس طرح گھر کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا بھی نہیں اور یہ سب تم سے کبھی نہ کہتا مگر مجھے یہ خیال آتا ہے کہ میرے بچے جو ہمیشہ ایسی ہی چیزوں کے عادی رہے ہیں۔ تمھارے یہاں سے چلے جانے کے بعد کیا کریں گے۔ میں جانتا ہوں منصور۔ تم بہت نیک اور ہمدرد آدمی ہو۔ خود کھانے کے بہانے ہمارے کھانے کا انتظام کرتے ہو۔ مگر میرے بھائی میرے دوست۔ اب یہ نہ کرنا۔ میں تمھارا شکر گزار ہوں۔ اور احسان مند بھی۔ اس لیے تم سے میری یہ استدعا ہے کہ ــــ!"

"میری بھی آپ سے یہ استدعا ہے۔ اب مزید کچھ نہ کہیے" منصور نے ان

کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا" وہ آپ کے بچے اور میرے بھائی ہیں۔ کیا اس رشتے سے میرا کوئی فرض نہیں ہے؟۔ آپ میری التجا مانیں گے نہیں۔ ورنہ میں آپ سے یہ کہنے والا تھا کہ تھوڑے دن اپنے گھر کا چارج مجھے دے دیجئے اور یہ بات کسی سے کہیے بھی نہیں!۔ اس طرح" انھوں نے آواز نیچی کرلی۔ "اس طرح عذرا کی محنت بھی بچے گی اور وہ اپنی تعلیم پر توجہ دے سکے گی"

تو تمھیں یہ بات معلوم ہوگئی؟۔

"آپ بتانا نہیں چاہتے تھے؟۔

"مجھے عذرا کی ناراضگی کا خیال تھا۔ اس نے مجھے منع کر دیا تھا۔ ابھی تک ~~صفیہ~~ کو بھی علم نہیں ہے"

صفدر بھائی۔ خدا کے لیے میری التجا مان لیجئے۔ آپ مجھے اس قدر غیر کیوں سمجھتے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح میں آپ کا کچھ ہونا ضرور ہوں!۔

"میرے سالے" صفدر صاحب نے مذاق کرنے کی کوشش کی۔

"اس رشتے سے بہن بہنوئی اور بھانجوں کا حق مجھ پر واجب ہوجاتا ہے!"

"صفدر صاحب سنجیدہ ہوگئے" نہیں میاں۔ تمھاری محبت اور خیال کا میں بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یقین کرو۔ چند روز کی مصیبت اور پھر سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا۔

"جب ہو جائے گا۔ تب میں بھی دست کش ہو جاؤں گا!"

تم نہیں مانو گے!

"بالکل نہیں!"

صفدر صاحب خاموش ہوگئے!۔

"مرغ تو گل کے حلوہ ہوگیا" رحمت نانی کی آواز ابھری۔

آپ نے پیٹ بھر کھایا۔؟" منصور نے پوچھا۔
ہاں بیٹے۔ اللہ کا شکر ہے:" وہ خوش ہو گئیں۔
تو پھر اب بڑے گلاسوں میں گرم دودھ اور اولٹین گھول کے لے آیئے!"
نانی چلی گئیں۔ کچھ دیر بعد سب باہر آ بیٹھے۔ ان میں مختلف باتیں ہونے لگیں۔ عذرا اٹھ کر بڑی بوڑھی والے کمرے میں چلی گئی۔ کچھ پرچے جانچتی رہی پھر لائٹ آف کر کے ٹرانسفارمر آن کر دیا۔ اور دہلیز پر آ کھڑی ہوئی۔!
کوئی پون گھنٹے بعد منصور ادھر سے گزرے! اور خواب گوں روشنی کے پس منظر میں عذرا کو کھڑے دیکھ کر رک گئے!۔
آپ کو اگر فرصت ہو تو پانچ منٹ مجھے بھی دیجیئے!۔ وہ بولی۔
میرا سارا وقت آپ کا ہے۔ فرمایئے!" منصور نے بھی اتنی ہی سنجیدگی سے کہا۔
"آپ کی اور آپا کی باتیں میں نے سُن لی ہیں!"
"حالانکہ ہم نے بہت نیچی آوازوں میں باتیں کی تھیں۔ آپ کی سماعت ماشاءاللہ بہت صحت مند معلوم ہوتی ہے؟۔
"مجبوروں کے احساسات سے کھیلنا، ان کے جذبات کو مجروح کرنا، انہیں اپنی مظلومیت کا احساس دلانا۔ آپ کے نزدیک قابلِ تعریف کارنامہ ہو تو ہو میں اسے بہت مذموم سمجھتی ہوں۔ ہماری پریشانیاں ہماری اپنی ہیں۔ یہ جو ہمدردی کے بہانے بیدردی اور خیر خواہی کے پردے میں بدخواہی آپ کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے لیے تکلیف دہ ہے۔ آج سینکڑوں انسان بیروزگار ہیں انھیں دال روٹی بھی نصیب نہیں ہے۔ تو پھر اس ایک بے روزگاری کو مرغ و ماہی کھانا کیا ضروری ہے!۔ اس کا مقدر اسے بھگتنے دیجئے۔ آئندہ آپ ہمارے

حال پر کرم نہ کریں۔ میں بے شک ملازمت کر رہی ہوں۔ آپ نے مس کارل کی مددگار سے مل کر میرا سارا کچا چٹھا پوچھ لیا۔ اچھا کیا۔ کیا یہ کوئی عیب ہے اگر عیب بھی ہو تو مجھے پرواہ نہیں۔ میں آپ کے صدقے مرغن غذائیں کھانے سے اپنی محنت کی دال روٹی کھانا بہتر سمجھتی ہوں۔ بس! مجھے یہی عرض کرنا تھا آپ سے۔ معاف کیجئے گا۔ میں نے آپ کا وقت لے لیا۔ اب آپ جا سکتے ہیں!"

عذرا!" منصور نے گلو گرفتہ لہجے میں کہا۔ "جو کچھ تم نے کہا۔ وہ سچ ہے کہ تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو۔ اگر یہ مذاق بھی ہے تو بہت دل شکن ہے"

"جی نہیں" عذرا کے دل و دماغ میں بھنور سے چکرا رہے تھے۔ وہ اسی سرد لہجے میں بولی "آپ سے مذاق کرنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ میری التجا ہے کہ آپ ہم سے میری بھولی بھالی ماں کے احساسات سے، اور میرے مجبور باپ کے احساسات سے آئندہ نہ کھیلیں۔ غریبوں کے ضمیر اگر مردہ نہ ہوں تو وہ بہت حساس اور جذباتی ہو جاتے ہیں"

نہیں عذرا نہیں" منصور نے کہا۔ عذرا نے مدھم روشنی کے عکس میں دیکھا ان کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ آنکھوں کے پیمانے بھی اشک کو اپنے اندر سمونے کے لیے کافی نہ تھے۔ پلکوں پر ستارے سے ٹوٹنے لگے تھے۔

"عذرا یہ جو کچھ تم نے کہا ہے۔ وہ سب غلط ہے۔ میں تمھیں غریب و تنگدست نہیں سمجھتا۔ نہ میں تمھاری ہمدردی میں اپنی تسکین چاہتا ہوں۔ عذرا کیا تم نہیں سمجھتیں کہ کبھی دل آدمی کی کوئی بات نہیں مانتا! عذرا کیا تم اتنی ہی بیدرد ہو جتنی دکھائی دے رہی ہو۔ تمھارا یہ سلوک مجھ سے کیوں ہے؟ کیا کیا ہے میں نے؟ تم مجھ سے اس قدر خفا کیوں ہو۔ مجھے میری خطا بتا دو۔ خدا کے واسطے کہہ دو کہ تمھاری کسی وقت کی بات مجھے بری لگی ہے۔ میں تم سے معافی

مانگ لوں گا!"

"بس آپ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں!"

"بس؟؟؟"

"جی"!!!

"میں نہ آیا کروں تمہارے یہاں۔؟؟"

"کوئی اگر آنا ہی چاہے تو میں اسے کیسے روک سکتی ہوں!"

منصور کا ہاتھ آنکھوں پر پہونچ گیا۔ کچھ دیر وہ خاموش کھڑے رہے پھر بولے تو ان کی آواز ٹوٹی ہوئی تھی۔"

میں ابھی تک اسی خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ بدلہ لینا تمھیں آتا نہیں سزا دینا تم جانتیں نہیں۔ لیکن دین کے اس دل آزار تصور سے تم دور ہو۔ یہ بھی احساس نہیں کہ میری کوئی بات تمھیں ناگوار ہوئی ہو۔ پھر کیا بات ہے کہ تمھیں میرا آنا جانا پسند نہیں۔ اچھا عذرا۔ تم نے کہہ دیا جو کچھ تمھیں کہنا تھا۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔ مگر۔ میری بات تم سے بہت مختلف ہے۔

میری اک عمر تجھ سے وابستہ
میں تجھے کیسے بھول سکتا ہوں

خدا حافظ!"

اب وہاں مکمل سناٹا تھا۔ جس میں عذرا کے دل کی بے ترتیب دھڑکنیں گونج رہی تھیں۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے خلا میں گھور رہی تھی جہاں اسے ایک قد آدم پیکر ابھی تک نصب دکھائی دے رہا تھا!۔ وہ آنکھیں اسے رحم طلب انداز میں دیکھ رہی تھیں جن میں آنسو لرزنے لگے تھے۔ وہ لہجہ ابھی تک اس کے نہاں خانۂ دل میں حشر برپا کیے تھا، جو مدھم تھا مگر چیخ رہا تھا۔

عذرا نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دل تھام لیا۔

شاید وہ چلے گئے ہمیشہ کے لیے۔

اب وہ میرا خیال دل سے نکال دیں گے۔

دل کی بیمار اپنی ماں کا کہا مان کے صبا سے شادی کر لیں گے۔

اچھا ہوا انھیں میں نے اپنی ذات سے نفرت دلا دی۔

اب ان کی زندگی پُر سکون گزرے گی۔

مگر کیا خود سے نفرت دلانے کا یہ انداز، یہ طریقہ مناسب بھی تھا؟۔

وہ بے جان قدموں سے اندر آئی۔ اور آنچل سے چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی!۔

"منصور! منصور یقین کیجئے۔ مجھے آپ سے نفرت نہیں۔ محبت ہے۔ بہت محبت ہے۔ آپ میرے تمام ارمانوں کا مرکز ہیں۔ آپ کی محبت میری رگوں میں لہو بن کر دوڑ رہی ہے۔ مگر میں مجبور ہوں۔ آپ کی خاطر۔ اپنے ماں باپ بھائیوں کی خاطر۔ آپ کی بیمار ماں کی خاطر۔ جو کبھی یہ نہ کہے۔ عذرا نے ایک ماں بے خبر کا حق چھین لیا۔ جدا کر دیا میرے بیٹے کو مجھ سے سب سے اس کی منگیتر سے۔ منصور میں حق ناشناس نہیں۔ مظلوم و مجبور ہوں"۔ رات کے پل بھاگتے رہے۔ وہ بےحواس ہو کر روتی رہی۔ اپنے جذبوں اپنے دکھ درد کی آپ رازدار۔!

منصور نے لڑکھڑاتے قدموں سے زینہ طے کیا تھا!۔ ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھا رہا تھا۔ اور دماغ میں چکر آ رہے تھے۔ انھیں صدمہ سے زیادہ اپنی توہین کا احساس تھا۔ آج تک کسی نے اس طرح ان سے گفتگو نہ کی تھی۔ ماں باپ تک لحاظ کرتے تھے۔ چھوٹے بھائی ڈرتے ہی رہتے تھے۔ اپنے ساتھیوں میں بھی وہ بہت محتاط، سنجیدہ اور وقار قائم رکھتے

تھے مگر ایک لڑکی نے جس طرح ان کے جذبات کو مجروح کیا تھا۔ اس کا انھیں بے حد احساس تھا!۔ دل خون ہو رہا تھا اور دماغ ماؤف ہو چلا تھا!۔

پورچ میں مسرور احمد کھڑے ہوئے ملے!۔

"بہت دیر کر دی آپ نے۔ کہاں رہ گئے تھے!" مسرور نے پوچھا۔ "مجھے تو آپ کچھ پریشان بھی لگ رہے ہیں!۔

"کچھ نہیں۔ لائبریری میں بیٹھا رہ گیا تھا" منصور نے کہا۔ "کیوں کوئی خاص بات ہے؟"

جی!۔

کیا بات ہے امی کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ وہ کیا کر رہی ہیں۔

"آپ بڑی جلدی گھبرا جاتے ہیں۔ امی بالکل ٹھیک ہیں۔ نماز پڑھ رہی ہیں۔ خیر۔ آپ اپنے کمرے میں چلیے تو بتاؤں!"

اور بعجلت تمام کمرے میں پہونچ کر وہ مسرور کی طرف مڑے!۔

"میں مغرب کے وقت سے آپ کا منتظر تھا" مسرور نے کہا۔ "شام کو محترمہ کا ٹیلی گرام ملا۔ وہ تشریف لا رہی ہیں۔ میں نے امی سے نہیں کہا۔ وہ گھبرا جاتیں"

انھوں نے جیب سے تار کا لفافہ نکال کر منصور کی طرف بڑھا دیا۔ مگر اسے پڑھے بغیر انھوں نے کہا "مجھے کیا دیکھنا ہے۔ آ رہی ہیں تو شوق سے آئیں میں نینی تال جا رہا ہوں۔ مجھے اپنی تعلیم پوری کرنا ہے۔ شادی وادی کے جنجال میں ابھی کون پڑتا ہے۔ یہ امی کا کیا دھرا ہے۔ امی ہی کچھ کر لیں گی۔ میرا دماغ پہلے ہی سے گھوم رہا ہے"۔ "مگر۔ اس تار کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا دیا ہوا تار ان تک نہیں پہنچا!"

"یہ بھی بات ہو سکتی ہے۔۔!"

امی کو تار مت بتاؤ۔ ابھی سے ان کی نیندیں حرام ہو جائیں گی مصیبت جب پڑتی ہے تو بھگت لی جاتی ہے۔ مصیبت کا پہلے سے کون انتظار کرتا ہے۔

بھائی صاحب ایک عرض ہے میری۔ اگر گستاخی نہ سمجھی جائے تو کہوں

منصور انھیں استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگے!۔

آپ بھی اپنے فیصلے میں تھوڑی سی ترمیم کیوں نہیں کرتے؟"

ایک لمحے کے توقف کے بعد منصور نے بھولپن سے کہا: "میں ضرور کر لیتا۔ لیکن میاں ابھی میری تعلیم باقی ہے۔ میں روزگار سے نہیں لگا۔ شادی صرف ایک دن کی خوشی کا نام ہے۔ اس کے بعد بڑی ذمہ داریاں سر پر آ پڑتی ہیں۔ کھانا پینا، دکھ سکھ، خوشی، غمی، بال بچوں کا جھنجھٹ۔ یہ کم عذاب ہے۔ اب بھلا بتاؤ۔ میں اپنی چھوٹی موٹی ضرورتوں کے لیے کیا ڈیڈی کے سامنے ہاتھ پھیلاتا رہوں گا۔!؟"

کیا ضروری ہے کہ آپ ایل ایل بی کریں۔" مسرور نے کہا: "آپ بینک کے امتحان میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اب بھی آپ کو ملازمت مل سکتی ہے۔

میاں۔ ناانصافی اور ظلم کی باتیں مت کرو۔!" منصور بولے: "اب کیا فقط صرف صبا پر قربان ہونے کے لیے میں اپنی آرزوؤں کا گلا گھونٹوں۔؟ یہ البتہ ٹھیک ہے کہ تم برسرروزگار رہو۔ تمھیں ایک اچھی دلھن ملی ہے۔ لہٰذا تم بڑے بھائی کو بزرگانہ انداز میں نصیحت کر سکتے ہو!"

مسرور کا چہرہ مسکرانے لگا: "ایسی بات نہیں ہے!"

منصور بھی ہنسنے لگے۔ دفعتہً وہاں اسما کے آ جانے سے سین بدل گیا وہ الگ شرمائی۔ مسرور بھی کچھ سمٹ گئے۔ منصور نے پیار سے پوچھا۔

"ارے تم ابھی تک جاگ رہی ہو۔ آخر اتنی رات گئے تک کیا کرتی ہو۔!"
امی بلا رہی ہیں۔ کافی ٹھنڈ ہو رہی ہے !۔
اسما ؟۔
جی !۔
کبھی کبھی میرا بہت دل چاہتا ہے کہ تمھارے میاں کو خوب پیٹوں۔! منصور نے کہا۔
عبرتناک طریقے سے اسمانے جواب دیا۔ "چھوٹے بھائی پر اگر آپ کا ہاتھ اٹھ سکے تو خوب پیٹئے۔!"
اس جواب نے منصور کو ہنسا دیا۔ اور مسرور کمرے سے بھاگ نکلے !۔
رات کے دس بجے تھے۔ اور سب بڑے کمرے ہی میں بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ منصور نے جان بوجھ کر ان سب کا ساتھ تلاش کیا تھا۔ ان کی باتوں میں خود کو بہلانا چاہا تھا۔ اسما سے لطیفے کہہ رہے تھے۔ افتخار اور ایثار سے ان کے نصاب کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ شاید اسی طرح دماغ پر رکھا ہوا بوجھ ہلکا ہوتا۔ اسی طرح دل میں اٹھنے والی ٹیسوں میں کمی ہو جاتی۔ شاید اسی طرح دکھ بہلتا۔ ورنہ وہ سب سے الگ تھلگ اپنی چھوٹی سی کائنات میں مگن رہنے والے آدمی تھے۔
تبھی دفعتہً کمپاؤنڈ میں ٹیکسی کے رکنے کی آواز آئی! اور ساتھ ہی حسن صاحب کا بھاری قہقہہ فضا میں گونجتا ہوا ان سب تک پہنچا۔
"یہ کیسے آ گئے!" مسز حسن کے چہرے پر طمانیت کی سرخی چھا گئی۔
"ڈیڈی آ گئے۔!" مسرور نے معنی خیز نظروں سے منصور کو دیکھا۔ انھوں نے ہونٹ سکوڑ کر لاپرواہی سے رخ پھیر لیا۔

پھر وہ سب اُٹھ کر برآمدے تک آئے۔ حسن صاحب ان سے آملے اور ان کے ساتھ اندر جاتے ہوئے بولے۔

"بھئی یہ چکر کیا ہے۔؟ خوامخواہ آگیا ہوں۔ مطلب یہ کہ دوسروں کی زبردستی سے۔ کل سہ پہر جناب کے بھائی صاحب کا ٹرنک کال آیا۔ صاحبزادی تشریف لارہی ہیں۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ آپ وحشت زدہ ہوجائیں گی۔ چل پڑا۔ کیا یہاں کوئی اطلاع نہیں آئی ؟"

"صاحبزادی چل پڑی ہیں" مسز حسن نے دل تھام لیا "میں نے تو تار دلوا دیا تھا کہ نہ آئیں۔ کیا وہ ان تک نہیں پہونچا ؟"۔

سب ہال میں آکر بیٹھ گئے۔ اور حسن صاحب نے کافی کا آرڈر دے کر کہا "مگر یہ کیا لغویت ہے۔ بیگم آپ کی بھانجی ہے۔ ناگوار ہو تو معاف کیجئے گا لڑکی اپنی شادی کے لیے خود سے چل کے سسرال آگئے۔ نانسنس، میں صدیوں پرانے خیال کا بڈھا ہوں۔ کم از کم یہ بات میں تو پسند نہیں کر سکتا !"

"تو پھر اب کیا ہوگا ؟" مسز حسن نے کہا۔

"یہ سوال تم منصور سے کرو۔!" حسن صاحب نے کہا اور ملازم کی طرف متوجہ ہوگئے۔ جو کافی کے ٹرے لے آیا تھا !۔

"ڈیڈی پہلے کھانا کھا لیجئے !" اسمانے آواز دی "کافی بعد کو پیجئے گا !۔

وہ بے تحاشا خوش ہوگئے۔ اسے اپنے پاس بلایا۔ اس کی پیشانی چومی اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ پھر بولے۔

"بیٹی میں کھانا کھا کے چلا ہوں۔ واہ۔ اسے کہتے ہیں خیال، اور محبت یہ بچی میرا گھر جنت کر دے گی !"

"ڈیڈی !" منصور نے سنجیدگی سے کہا "چونکہ امی کی طبیعت زیادہ ہی

خراب ہو گئی تھی۔ لہٰذا میں چلا آیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ دی ہے۔ اب امی خدا کے فضل سے بالکل اچھی ہیں۔ لہٰذا میں عنقریب پھر چلا جاؤں گا۔ مجھے لا کرنے کا بہت شوق ہے اور میں اپنے دو سال ہر حال میں مکمل کروں گا۔! یہ محترمہ جو آ رہی ہیں۔ ان سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ابھی میں شادی وادی کرنے کے موقف میں نہیں ہوں۔ میرا ہمیشہ یہی جواب رہے گا۔ لہٰذا مجھے تو جانے کی اجازت دیجیے!"

مسز درجوماں کے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت اور مضطرب انداز دیکھ کے مجھے بول پڑے۔

"ڈیڈی واقعی یہ کیا ضروری ہے کہ زبردستی مرضی کے خلاف بھائی جان کی شادی کر ہی دی جائے۔! بھائی جان کو تعلیم پوری کرنے دیجیے۔ آخر ان کے بھی کچھ مقاصد ہوں گے۔ اس طرح کی رکاوٹ۔!"

بے شک بے شک" حسن صاحب نے کہا" میں کب کچھ کہہ رہا ہوں۔ میں تو صرف تمھاری امی کے خیال سے آ گیا ہوں۔ میرا منشا وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ اور پھر کسی کے آنے نہ آنے کی بات خود اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ رشتے دار ملنے ملانے کے لیے آیا جایا ہی کرتے ہیں۔ صبا کے آنے کا مطلب شادی نہیں ہے۔ وہ جس طرح آ رہی ہے۔ اسی طرح چلی بھی جائے گی!۔ اس میں اتنی وحشت و بے چینی کی کیا بات ہے؟"

مجھ سے اگر کوئی حماقت نہ ہوئی ہوتی تو سچ مچ کوئی بات نہ تھی" جان پر کھیل کر مسز حسن نے کہہ دیا۔

کیا مطلب۔؟" حسن صاحب نے کہا۔ ان کی آواز اتنی بھاری اور گونجیلی تھی کہ ذرا بھی زور سے بولتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ گرج رہے ہیں۔

مسز حسن نے ساری تفصیل سنا دی۔!

حسن صاحب نے جواب میں کہا: "چلو خیر۔ شوکت میاں سے ساری عمر کی دشمنی ہمیں اتنی مہنگی نہ پڑے گی۔ جتنی کہ منصور کی جدائی۔ یا اس کی تباہی اب تم دل پکڑ کر بستر پر لیٹ نہ جانا۔ سمجھیں۔ میں آگیا ہوں۔ کوئی راستہ تلاش کر لوں گا۔ ذرا ذرا سی بات پر متاثر ہونا چھوڑ دو۔ اور بیٹا۔ تم بھی بھاگو مت۔ چند روز بعد گرمی کی تعطیلات شروع ہو جائیں گی۔ وہ ہمارے ساتھ گزار کر اطمینان سے جانا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری جو خواہش ہے۔ اسے میں ضرور پوری کروں گا!۔

شکریہ ڈیڈی۔!" منصور نے زیر لب کہا۔

حسن صاحب نے کلائی پر نظریں دوڑائیں "گیارہ بج رہے ہیں۔ اب آرام کرنا چاہیئے!۔

یہ دوسرا دن تھا کہ منصور صفدر صاحب کے ہاں کسی ذمت کے لیے کھانے پر نہیں آئے تھے۔ ہمیشہ ملازم ان کے پاس بھیجا جاتا اور وہ یہ خبر لے کر واپس آجاتا کہ منصور صاحب گھر پر نہیں ہیں۔ صفدر صاحب اور صوفیہ بیگم کو تشویش تھی لیکن جب سے اسما کی شادی ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے ان کے گھر جانا چھوڑ دیا تھا۔! اسما البتہ روز ایک چکر لگا جاتی تھی۔ اسے صفدر صاحب کا خیال اتنا رہتا تھا کہ ان کی پریشانی کم کرنے کے لیے چپکے سے صوفیہ بیگم کو کچھ دے جاتی!۔ اس کی خبر کسی کو نہیں ہوتی تھی اس نے ماں کو بھی منع کر دیا تھا

کسی سے کچھ نہ کہیں!۔

حسب معمول وہ صبح ناشتے کے بعد آئی۔ اس دن کوئی چھٹی تھی۔ عذرا بھی گھر ہی میں تھی۔ اسما کے ساتھ ایک بڑا سوٹ کیس تھا۔ وہ اس نے سب کے درمیان رکھ کر کھولا۔ صفدر صاحب بھی اس کی خاطر آگے سرک آئے!۔

ڈیڈی آئے ہوئے ہیں" وہ بولی "انھوں نے کہا کہ جشن کے روز مجھے جو تحفے ملے ہیں وہ میں آپ سب لوگوں کو دکھالاؤں۔ اور بڑی بڑی چیزیں تو گھر ہی پر رہ گئی ہیں۔ یہ تو صرف زیور اور چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں۔

صفدر صاحب نے ان پر نظر بھی نہیں ڈالی تھی مگر خوش ہو کر تعریف کر دی اور پھر آرام کرسی پر لیٹ کر اخبار اٹھالیا۔

"یہ تم اپنی امارت کا سامان ہم غریبوں کو دکھا کر رعب جمانے کیوں آگئی ہو" عذرا نے کہا۔

باجی آپ ہمیشہ غلط بات سوچتی ہیں" اسما نے ٹھک سے سوٹ کیس کا ڈھکنا بند کر دیا۔ اور خشمگیں نگاہوں سے عذرا کو گھور کر بولی "آپ کو کوئی غریب دریب نہیں سمجھتا۔ اپنی غربت و تنگدستی کا ڈھنڈورہ آپ اپنے منھ سے پیٹتی ہیں"

صفدر صاحب مسکرائے "بھئی ہماری بلبل اب بہت چہکنے لگی ہے۔ اس کی باتوں کا جواب تو ہم بھی نہیں دے سکتے!۔

دیکھئے ابا۔ خواہ مخواہ ان سب سے بیر باندھ لیا ہے باجی نے" اسما روہانسی ہوگئی۔ "کوئی انھیں کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ امی تو سدا انھیں کا کلمہ پڑھے جاتی ہیں۔ کوئی دن نہیں جاتا جب انھیں یاد کر کے یہ نہ کہتی ہوں کہ کاش وہ کبھی کبھی میرے گھر آتی"

عذرا نے کان کھڑے کیے۔ مگر صوفیہ بیگم دانت پیس کر رہ گئی کیونکہ

انھوں نے اسما کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"ارے ہاں۔ یہ بتاؤ کہ اب منصور ہمارے ہاں کھانے پر کیوں نہیں آتے چار مرتبہ رمضانی بلانے گیا۔ معلوم ہوا گھر پر نہیں ہیں۔ ہم نے ان کا اتنا انتظار کیا کہ ـــ"

"آج کل وہ بہت پریشان ہیں!"

اسما نے بڑی تفصیل سے اپنے سسرالی حالات بیان کر ائے۔ پھر بولی۔

"بس آج کل میں وہ صاحبزادی آنے والی ہیں۔ صبح شام ان کا ایسا انتظار رہتا ہے کہ ہر آہٹ پر گمان ہوتا ہے وہ آگئیں۔ مگر ایسا بھی کیا آنا۔ کہ کوئی خوشی سے خیر مقدم نہ کرے۔ سب بیزار ہوں۔ منھ بنائے رہا کریں!"

بیٹی۔ کیا منصور میاں بھی؟" صفدر صاحب نے پوچھا۔

ابا۔ وہ تو سب سے زیادہ" اسما نے کہا "بہنی نال بھاگے جا رہے تھے۔ ڈیڈی نے روک لیا ہے۔ آج کل ان کی طبیعت بھی اچھی نہیں ہے۔ بخار آرہا ہے۔ کل دوپہر کو ڈاکٹر آیا تھا!"

اب کیسے ہیں!" صفدر صاحب نے پوچھا۔

تھوڑے سے ٹھیک ہیں۔

ہائے اسی مارے یہاں نہیں آرہے ہیں" صوفیہ بیگم نے ٹھنک کر کہا۔" اب میں جا کے انھیں دیکھوں گی!۔ نہیں تو کیا سوچیں گے کہ دو قدم پر گھر ہے۔ آکے پوچھا بھی نہیں!"

میں تو ابھی جا کے مزاج پرسی کیے آتا ہوں!" صفدر صاحب یہ کہہ کر اٹھ گئے۔

ان کے جانے کے بعد اسما بولی "ابا کی نوکری کا کچھ نہیں ہوا۔ اماں ؟"۔

صوفیہ بیگم نے نفی میں سر ہلا کر ٹھنڈی آہ بھری۔

تو پھر باجی ہی کی آمدنی سے کیسے پورا پڑتا ہے۔؟" بے اختیار اسما کے منھ سے نکل گیا۔

باجی کی آمدنی۔!" صوفیہ بیگم دھک سے رہ گئیں "تمھاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔! باجی کی کیسی آمدنی۔؟"

اسما بول کر پچھتائی۔ عذرا نے برا سا منھ بنا کر کہا "ہاں۔ اختلاج کا دورہ ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔! ذرا سی بات ہے کہ میں اسکول کی بچیوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہوں۔ مہینے میں تین چار سو مل جاتے ہیں!۔ بس۔ اور کیا۔؟"

"یہ بات تم نے اب تک مجھے کیوں نہ بتائی؟"

"کوئی اہم بات نہیں تھی۔"

"تم مجھے بالکل عضو معطل یعنی ایک فضول ہستی سمجھتی ہو" صوفیہ بیگم کا پارہ گرم ہونے لگا "ماں کا احترام کیا ہوتا ہے۔ اولاد کا فرض کیا ہے۔ یہ تو تم جانتی ہی نہیں۔ پڑھ لکھ کے تمھیں تمیز ادب سلیقہ تھوڑی آرہا ہے۔ رہا سہا بھی جا رہا ہے۔ ایسی پڑھائی پر بجلی گرے جو ماں کا ادب نہ سکھائے۔ تم سے تو بس ٹھٹھول بازی کرالو۔ ہنسی مذاق دے دو۔ بی بی یہ پینے والے لچھن نہیں ہیں۔ عادت ایسی کی پڑجائے گی۔ سسرال میں —!"

"بس اماں۔ سسرال کے نام پر رال نہ ٹپکائیے" عذرا نے ہنستے ہوئے بات کاٹ دی "مجھے بتائیے کہ سسرال میں آپ نے کیا سکھ پایا۔؟ کچھ نہیں نام کی سسرال تھی آپ کی۔ سسر تو شاید آپ کے تھے ہی نہیں۔ آپ چرخی ایسی ساس سے چمٹی رہیں اور ابا دوستوں کے چکر میں رہا کرتے تھے۔ آپ کا کام

پچولھا پھونکنا اور ہم سب کی پرورش کرنے میں دکھ جھیلنا تھا۔ آپ خود ہی غور کیجئے نا۔

"ارے بیٹی ہوش کی دوا کرو" صوفیہ بیگم بپھر کر بولیں "اس طرح کی باتیں کرتے تجھے غیرت نہیں آتی۔ ایسے دکھ جھیلنا تو عورت کے فرائض میں شامل ہیں انھیں طنزیہ بیان کرنا تیری کم عقلی ہے۔ ماں باپ پر ایسے اعتراضات ایک لڑکی کی زبان سے زیب نہیں دیتے۔"

"میری پیاری اماں" عذرا نے کہا "غصہ نہ کیجئے۔ آپ کا بلڈ پریشر بڑھ جائے گا۔ بہت دنوں سے بڑھا نہیں ہے۔ واہ اماں۔ آپ میری بات سمجھتی نہیں ہیں اور لڑنے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ذرا تو سوچیے کہ آخر آپ نے مجھے کیوں پیدا کیا ہے۔ کیا اسی لیے کہ میں پڑی پڑی مفت کی کھاؤں اور لوکی کی بیل کی طرح آپ پر پھیلتی چلی جاؤں؟ اولاد تو ماں باپ کی خدمت کے لیے پیدا ہوتی ہے اماں۔ اب اگر میں نے تھوڑی بہت آمدنی کی صورت نکال لی ہے تو یہ کوئی غصے گرمی کی بات نہیں ہے۔"

صوفیہ بیگم کا سوڈا واٹری جوش ہلکا ہو گیا "مگر تم مجھ سے تذکرہ تو کرتیں۔ آپ کا اختلاج اور خفقان مجھے اچھا تھوڑی لگتا ہے۔"

"الٰہی اللہ" ماں کا دل پگھل گیا۔ اب وہ رنجیدہ تھیں "یہ لیل و نہار کب تک رہیں گے۔ کون سا گناہ ہم سے ایسا سرزد ہو گیا تھا۔ جس کی یہ سزا مل رہی ہے کہ تم کمانے پر مجبور ہوئی ہو۔ تمہارے تو ہنسی کھیل کے دن تھے میں بدنصیب یہ عذاب کب تک سہتی رہوں گی۔ ادھر "ان" کی شکل دیکھ کر کلیجہ خون ہوتا ہے۔ اب تمھاری نوکری لگ گئی ہے۔ اس سے تو اچھا تھا کر خدا مجھی کو ——— !"

"نہیں نہیں" عذرا نے ان کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "موت کی دعا مانگنا بڑی بزدلی ہے اماں۔ یہ کوئی قیامت خیز آفت نہیں ہے۔ فیکٹری کے ڈائریکٹر صاحب کے دل میں خدا ایمان ڈالے گا۔ وہ پھر آجائیں گے۔ فیکٹری پھر سے کھل جائے گی۔ اور سارے حالات پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔ اتنی معمولی سی مصیبت پر یہ دعا کرنا کہ اللہ مجھی کو اٹھا لے۔ بڑی زیادتی ہے۔ آخر اللہ کو اپنے نیک بندوں کی آزمائش بھی تو منظور رہے۔"

صوفیہ بیگم کا دل ماں کا دل تھا۔ ان آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آج ان کی لاڈلی بیٹی انھیں نصیحت کر رہی تھی۔ اسے خدا نے اتنی ہمت دی تھی۔ وہ راضی برضا تھی جس نے کبھی افلاس و تنگدستی کا منہ بھی نہ دیکھا تھا۔ عذرا کی تیز زبانی اور بدمزاجی پر وہ خفا ہوتی رہتی تھیں، لیکن اس کی محبت اور مامتا ان کے دل سے تھوڑی نکل گئی تھی۔ انھوں نے غور کیا تو عذرا کے چہرے پر دکھ، اضطراب اور غم کے سائے انھیں نظر آ گئے۔ جو پوشیدہ تھے۔ مگر انھیں ایک ماں کی نظر بخوبی دیکھ سکتی تھی۔

وہ رونے لگیں۔ اسما بھی ساتھ میں رو پڑی۔ مگر عذرا بدستور چٹان سی اپنی جگہ بیٹھی رہی۔! انھیں منانے سمجھانے کی کوشش نہ کی۔!

پھر وہ سنجیدگی سے بولی: "اچھا اماں اگر آپ کو اپنے دلچسپ مشغلے سے فرصت ہو گئی ہو تو جایئے۔ دیکھ آیئے انھیں۔ کسی کو یہ شکایت نہ رہے کہ آپ دیکھنے نہ گئیں۔"

صوفیہ بیگم کا موڈ پھر چوپٹ ہو گیا۔ عذرا کی کھری کھری بات سے بہت چڑھتی تھیں۔

"آپ بھی چلیے نا۔!" اسما چیخ کر بولی: "آج چھٹی ہے۔ دیکھ آیئے!"

ہیں کون سی بڈھی نانی ہوں۔ میرا جانا ایسا ضروری نہیں ہے " عذرا اپنی اور اُٹھ کر باغیچے میں چلی گئی! ۔ اندر سے اماں اور اسما کی باتوں کی آواز یں آرہی تھیں، نجانے اسما نے کیا کہا تھا۔ جس کے جواب میں وہ تنتنا اٹھی تھیں۔

" دماغ چلا ہوا ہے۔ خود کو بہت عقلمند سمجھتی ہے۔ ابھی زمین سے ابھری نہیں ہے۔ مگر سر آسمان کو چھو رہا ہے۔ لیکن مزاج ہی نہیں ملتے۔ مجھ سے تو یوں بات کرتی ہے جیسے میں اس کے گھر کی غلام ہوں۔ اگر یہی حال رہا تو بات ہی کرنا چھوڑ دوں گی۔ بلا سے۔ وہ اپنے حالوں میں رہے۔ سوچا تھا کہ گھر بار کا کر دوں تو سکھ کی سانس لوں۔ مگر یہ لڑکی تو مردوں سے بڑھ کے خود سر ہے۔ ایک انکار ہزار انکار، کہیں شریف لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں۔ ہمارے خاندان میں جتنی لڑکیاں تھیں بیٹی۔ وہ سب ماں باپ کے کہنے کی تھیں۔ جس کے ہاتھ میں باپ نے ہاتھ دے دیا۔ سر جھکائے چلی گئیں۔ مولیٰ جانے۔ یہ کہاں ٹھکانے لگائے گی "

وہ کچھ سنتی رہی کچھ خیالوں میں کھوئی رہی۔ اس کی نظریں ہر ہر پھول پر بھٹک رہی تھیں۔ یہاں وہاں جتنے پھول تھے۔ موٹے موٹے موگرے کے پھول ادھ کھلے پژمردہ سے گلاب، ایک آدھ کلی چنبیلی کی۔ لمبی لمبی کلیاں گل چاندنی کی مٹھی بھر بھر پچھے رات کی رانی کے۔ یہاں وہاں۔ ہر جگہ۔ ہر پھول ہر کلی میں ایک مسکراتا چہرہ چھپا تھا۔ وہ چہرہ جس کے لبوں پر کچی مسکراہٹ کبھی پژمردہ نہیں ہوتی تھی! وہ آنکھیں جن پر لمبی لمبی خمیدہ پلکوں کی بہت خوشنما جھالر لگی تھی وہ جب اس کی طرف اٹھتی تھیں تو ان میں کوئی انجان سی طلب، معصوم سا جذبہ، اور جانے کون سا پیغام ہوتا تھا۔ جس کے سمجھنے کی اس نے کبھی کوشش نہ کی!۔

پھر اس کی ذہنی روبلیٹی، اس نے جو بدترین اور نامناسب سلوک ان سے کیا تھا وہ کیا اسے سزاوار تھا۔ وہ صرف اس کے ماں باپ اور بھائیوں کی خاطر سب کچھ کرتے تھے جب الغنی نے گوارہ کرلیا تھا تو اسے کب حق پہنچا تھا کہ انھیں یوں پھٹکار دیا۔ وہ اس کے ذبیل نہ تھے۔ ایک دولت مند صاحب ثروت خاندان کے ایک فرد تھے۔ اگر وہ چاہتے تو اسے بھی منہ توڑ جواب دیتے۔ مگر۔ انھوں نے تو آنسوؤں کا سہارا لیا تھا۔ ! کیوں۔ ؟ اتنا کمزور دل تھا۔ وہ پیچھے سرکی اور امرود کے چھوٹے سے درخت کے دُبلے پتلے تنے کا سہارا لے کر آنکھیں بند کرلیں۔ گرم ہوائیں گرے ہوئے پتے لالا کے اس کے آس پاس ڈھیر کر رہی تھیں۔ آفتاب کی تمازت ناقابل برداشت ہونے لگی تھی۔ سامنے کی دیوار کے پیچھے سڑک تھی۔ جس پر ٹریفک کے گزرنے کا شور اب مدھم ہونے لگا تھا۔ گرمی کی لمبی دوپہر سنسناتی ہوئی باغیچے پر اتر رہی تھی!۔

وہ اکتا کر اٹھی اور اندر جھانکا! پتہ چلا کہ اماں اور انسا جا چکی تھیں۔ اب گھر خالی تھا۔ عزیز اپنی بلیوں کو لے کر اپنے دوست کے گھر چلا گیا تھا۔ نظام بھی نہیں تھا۔ رحمت نانی جنھوں نے ٹھونس ٹھانس ناشتہ کرلیا تھا۔ دالان کی نیچی سی چوڑی دہلیز پر بیٹھی تمباکو کھا رہی تھیں۔ اور آپ ہی آپ نجانے کیا کچھ بکے جا رہی تھیں!۔

عذرا صوفیہ بیگم کے کمرے میں آئی۔ پردہ دور تک کھینچ کر برابر کیا اور ان کی خوبصورت اونچی سی الماری کھولی! نیچے سے اوپر تک نجانے کیا کچھ الم غلم بھرا تھا۔ عذرا نے تجوری والا خانہ کھولا اور سانس روک لی۔

اسے شک تو پہلے ہی تھا۔ اب وہ دیکھ رہی تھی کہ ایک خاصی وزنی طلائی زنجیر، دو بڑی انگوٹھیاں اور ایک بڑا سا چاندی کا چھپکا سامنے ہی پڑا تھا۔

یہ اسماء دے گئی تھی۔ کوئی بہانہ ڈاکٹر سے ملنے کا۔ شوپنگ کا۔ صوفیہ بیگم کو سوجھتا اور وہ یہ چیزیں فروخت کر کے گھر کا خرچ چلائیں!۔ اسے اپنی ماں کی سادہ لوحی اور سادگی پر ایک ساتھ غصہ بھی آیا ترس بھی۔! وہ بھی شوہر کی پریشانی سے پریشان تھیں۔ ان کی فکریں ہلکا کرنے کی تراکیب سوچتی تھیں۔ مگر یہ طریقہ تو مناسب نہ تھا!۔ عذرا نے الماری بند کر کے رخ پھیرا ہی تھا کہ صوفیہ بیگم کو دروازے میں کھڑی دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ وہ قہر آلود نظروں سے اسے گھور رہی تھی!۔

"تم تلاشی لیتی پھر رہی ہو۔ کیوں۔؟" وہ مارے غصے کے کانپ رہی تھیں۔

اماں۔ یہ طریقہ اچھا نہیں۔ آپ بیٹی کی کمائی ——!"

اور ایک دہکتا ہوا تھپڑ اس کے گال کو سُن کر گیا۔ اس نے گال پر ہاتھ رکھ لیا اور دم بخود رہ گئی!۔

"بیٹیوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے میں نے کہ ان کی کمائی کھاؤں"۔ وہ فرط غضب سے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ "ذلیل ناشدنی، تو نے کمائی کا لفظ زبان سے کیسے نکالا۔ تجھے کیا پتہ کمائی کسے کہتے ہیں۔ بد زبان گستاخ کہیں کی۔ جو منہ میں آتا ہے بکتی چلی جاتی ہے۔ اری پاجی نا ہنجار، یہ مجھے اسماء دے گئی ہے طلائی زنجیر کا ہُک نکل گیا ہے۔ وہ اپنی ساس سے ڈر کر مجھ سے کہہ گئی کہ میں ہُک لگوا کے چپکے سے بھجوا دوں۔ اور یہ انگشتریاں اس کی انگلیوں میں ڈھیلی ہیں۔ وہ مجھے تنگ کروانی ہیں۔ سمجھی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ شام تک یہ چھوٹا سا کام کر کے اسے بھجوا دوں گی۔ اور تو بے غیرت، بدگمان، یہ سمجھتی ہے کہ میں اس کا دیا لیا کھا رہی ہوں"۔ وہ للکارنے والے انداز میں باہر نکل گئیں اچھا آج آنے دو اپنے باپ کو۔ تمھاری باتیں ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہیں

عذرا کا گال جل رہا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ اور سارے جسم میں انگارے چنخ رہے تھے۔ مگر اس آگ پر آنسوؤں نے چھڑکاؤ نہ کیا۔! اسے تو دہری ہیبت لگی تھی۔ یقیناً اماں یہ کہانی ابا سے کہیں گی۔ شاید وہ اس کا باہر جانا بند کر دیں!۔ تب کیا ہوگا؟۔ آج اماں کو سچ مچ غصہ آگیا تھا مگر وہ اتنی جلدی آپے سے کیسے گئی تھیں۔ یہ ہوا کیا تھا؟۔

وہ ان کے کمرے سے نکلی اور پھر لان میں جا بیٹھی۔ اتفاق سے اسی وقت صفدر صاحب آگئے۔ اور بیوی کو طیش کے مارے چقندر دیکھ کر سبب پوچھا۔ اماں اسی کی منتظر تھیں بس شروع ہو گئیں۔

"منصور نہیں مل سکے۔ ڈاکٹر کے ہاں چلے گئے تھے۔ میں گھر آگئی اور یہاں آکر دیکھا کہ" انھوں نے واقعہ کو چٹ پٹا بنانے کے لیے مرچ نمک ذرا زیادہ ڈال دیا تھا۔ پھر اخیر میں بولیں:

"عمر بھر مجھے چٹکیوں میں اڑایا ہے اس نے۔ مجھے ماں نہیں سمجھا۔ برابر کی سہیلی سمجھتی ہے۔ اب اس کی یہ مجال کہ مجھ سے کہے کہ میں لڑکی کی کمائی کھا رہی ہوں۔ تو بس۔ آپ بھی سن لیجیے۔ اب کوئی لڑکی کمائی نہ کرے گی میں اب فاقے کروں گی اور مر جاؤں گی۔! آئندہ اگر اس نے گھر سے باہر قدم نکالا تو میں قسم کھاتی ہوں کہ سنکھیا پھانک کر مر جاؤں گی!"

"مگر" صفدر صاحب نے آنکھیں پھیلا کر کہا "یہ۔ یہ تو زیادتی ہے وہ کالج جانے کے لیے باہر قدم نکالے گی۔ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ۔ یہ ملازمت کرتی ہے"

"کہہ دیا کسی نے بھی!" وہ بے حد خفا تھیں!۔

"بہر حال میں نے تو نہیں کہا۔ دیکھ لو کہ کتنا ڈرتا ہوں تم سے!" صفدر

صاحب نے کہا اور آ کر تخت پر ٹک گئے۔ انھوں نے اپنی بذلہ سنجی سے بیوی کو ہنسانا اور ان کا موڈ درست کرنا چاہا مگر آج وہ سنگ خارا بن چکی تھیں مطلب یہ کہ عذرا کی سادگی گستاخیوں کا آج بدلہ لے لیا تھا۔

"کیا کرے گی پڑھ کے۔ یہی نا اور زیادہ بدتمیزیاں سیکھے، ماں کے سر پر ناچے نہیں اب وہ آگے نہیں پڑھے گی!"

"اچھی بات ہے۔ اگر تمھارا یہی منشا ہے کہ صفدر سعید صاحب کی بیٹی جاہل مطلق رہے۔ گریجویٹ ماں کی بیٹی لٹھ رہ جائے تو تمھاری مرضی صفدر صاحب نے کہا۔

"آپ اس سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ مجھ سے بدزبانیاں کیوں کرتی ہے؟"

"ناز اٹھانے والوں ہی سے ناز کیا جاتا ہے بیگم۔ ہر ایک سے وہ اس لب و لہجہ میں بات نہیں کرتی۔ یہ تمھاری سمجھ کا قصور ہے۔ تم اولاد کی برابری کرتی ہو۔ تم کو تو خوش ہونا چاہیئے۔ تمھاری بچی آج حالات کے سامنے سپر انداز نہیں ہوئی۔ وہ حالات کے مقابلہ پر ڈٹ گئی ہے۔ اس میں ماں باپ کے حلق میں پانی ٹپکانے کا حوصلہ باقی ہے۔ وہ بہادر ہے۔ تعلیم نے اسے یقیناً جینے کا حوصلہ سکھایا ہے۔ ویسے اگر تم نے اس کی خوشمزاجی اور زندہ دلی کو دوسرے معنوں میں لیا ہے تو تمھاری مرضی۔ بٹھالو اسے گھر میں۔!"

یہ کہہ کر وہ باہر چلے گئے۔ اور پھر صوفیہ بیگم سکتہ کی حالت میں بیٹھی رہ گئیں۔ معاً انھیں اپنی زیادتی کا احساس ہوا۔ سترہ اٹھارہ سال کی نوجوان لڑکی پر زندگی میں پہلی بار انھوں نے ہاتھ اٹھایا تھا۔ وہ تو ان سے مذاق کرتی ہی رہتی تھی۔! اب اس کا مداوا کیا ہو گا؟۔ انھوں نے چپکے سے

اٹھ کر جھانکا۔ وہ سمنٹ کی شفاف روش پر بیٹھی کسی سوچ میں گم مجانے روش پر انگلی سے کیسی لکیریں بنا رہی تھی۔ صوفیہ بیگم نے اس سے معافی طلب کرنے کا یہ طریقہ نکالا کہ خود پر ایک زبردست فرضی اختلاجی دورہ ڈال کے بستر پر لیٹ جائیں۔ پھر انھوں نے یہی کیا بھی تھا!!۔

ڈاکٹر توصیف احمد نے اپنا بیگ بند کیا اور مسکرا کر لاپرواہی سے کہا "موسمی بخار ہے جناب۔ انجکشن دے دیا ہے میں نے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ کل تک بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ اچھا یہ بتایئے۔ کیا کوئی شاک ایسا لگا ہے انھیں کہ انھوں نے دل و دماغ پر اس کا اثر قبول کیا ہو؟"

شاک۔؟" حسن صاحب نے منصور کا بخار زدہ سرخ چہرہ تکتے ہوئے پر تفکر لہجے میں کہا "نہیں تو۔ مگر ٹھہریئے۔ کچھ تذکرہ ان کی شادی بیاہ کا ہوا تھا۔ ان کی مرضی کے خلاف۔ اگر اسے شاک کہہ سکتے ہیں تو۔ پھر۔ میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔!"

ذرا خیال رکھیئے کہ کوئی معمولی سا صدمہ بھی نہ پہنچنے پائے" ڈاکٹر صاحب نے کہا اور بیگ اٹھا کر چلے گئے!۔ ان کے پیچھے پیچھے حسن صاحب بھی نکلے اور انھیں آخری شہ نشین کے پاس جا لیا۔

اب مجھے بتا دیجئے" وہ لجاجت سے بولے "کیا کیفیت ہے۔ مجھے ساری بات معلوم ہو جائے گی تو میں اپنے متعلقین کو بھی تاکید کر سکوں گا۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ کہیں ہماری لاعلمی اور بے خبری ہمیں کوئی نقصان پہنچا دے!"

"ان کے دل و دماغ کسی صدمہ سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ اعصاب پر بھی اس کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہو کہ آپ ان سے پوری سچی ہسٹری پوچھ لیجئے۔ ایسی صورت میں، میں مناسب ٹریٹ منٹ کر سکوں گا!۔ ورنہ یہ ہوگا کہ مرض کچھ اور رہے گا اور علاج کچھ اور۔ آپ سمجھے جناب؟"

"جی ہاں۔ میں ابھی پوچھتا ہوں۔ پھر شام تک آپ سے ساری کیفیت کہوں گا۔"

ڈاکٹر کے جانے کے بعد حسن صاحب پھر منصور کے کمرے میں آئے۔ اب یہاں سب تھے اور کافی پریشان لگ رہے تھے!۔

منصور کو مسلسل کئی دن سے معمولی حرارت اور جسمانی تکلیف محسوس ہو رہی تھی یہ فصلی حرارت سمجھی گئی۔ موسم یکبارگی تبدیل ہو گیا تھا! لیکن بخار مستقل ہو گیا۔ تب حسن صاحب نے اپنے فیملی ڈاکٹر کو طلب کیا اس نے الجھن زیادہ الجھا دیا۔ حسن صاحب کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کون سا شاک منصور کو اس نوبت پر پہنچا سکتا تھا۔؟

اب وہ وحشت زدہ سے ان سے عجیب عجیب سوال کر رہے تھے۔

"کسی دوست نے اپنے خط میں کوئی ایسی بات لکھ دی ہے جو تمہارے اعصاب کی کبیدگی کا باعث ہوئی؟ کیوں۔؟

نہیں ڈیڈی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میرا کوئی دوست اتنا بیدرد نہیں۔ آپ یقین کیجئے۔ اور اس قدر مت گھبرائیے۔ معمولی سا بخار ہے چلا جائے گا!"

تم غالباً یہ شادی دادی کے مستقل تذکرے سے گھبرا گئے ہو۔

نہیں ڈیڈی۔۔!"

نہیں بیٹا صاف صاف ۔ اس کا تدارک کیا جائے۔" مسز حسن کی جان لبوں پر آرہی تھی۔"

تمہاری معمولی سی تکلیف مجھے بھی بیمار ڈال دے گی۔ ایسی کون سی بات ہے۔ جس کا اثر تم نے اتنا لیا ہے؟

ارے امی۔ ڈاکٹر حضرات بات کا بتنگڑ بناتے ہیں۔" منصور نے ہنس کر کہا۔" آپ ان کی تشخیص کو سچ سمجھ لیتی ہیں۔ میں خود کو کافی بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ کچھ دیر بعد میں باہر ٹہلنے جاؤں گا!۔

۔ اللہ ایسا ہی کرے بیٹا۔!

اسما وہاں آگئی۔ اس کے ہاتھ میں ننھی سی ٹرے تھی۔ جس پر خوشبودار جوس کا گلاس لیا اور منصور کو پیش کر دیا۔ منصور ہنس پڑے۔

"بس ڈیڈی۔ آپ سب جائیے۔ انہی بزرگ میاں بیوی کو میری تیمارداری کرنے دیجئے۔ میں بہت جلد اچھا ہو جاؤں گا!"

وہ ہلنے بولنے اور چاق و چوبند رہنے کی بہتیری کوشش کر رہے تھے۔ مگر ان کی ہر کوشش ناکام ہو رہی تھی۔ وہ زہریلی پھانس جو دل میں دور تک اتری ہوئی تھی۔ وہ بہت کھٹک رہی تھی اور اس کی ہر گہری ٹیس رگ و پے کا لہو نچوڑ لیتی تھی۔

ایک دولت مند گھرانے کا پروردہ، ناز و نعم کا عادی، اور محبت و خلوص کا آشنا نوجوان کسی ٹھکرادی گیلی برداشت نہ کر سکا تھا۔ اس کی بے لوث محبت کی کسی نے قدر نہ کی تھی۔ اس کی محبت اور توجہ پر نفرین کی تھی۔ اس کے خلوص کا مذاق اڑایا تھا۔ حد یہ کہ اس کی محبت ہی ٹھکرا دی گئی تھی۔ اور یہی شاک زبردست لگا

تھا جس نے اس کی روح کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

ان کے ذہن میں وہ تلخ و ترش ساری باتیں محفوظ تھیں۔ پھر تنہائی میں یا سب کے درمیان وہ باتیں اپنی بازگشت دل و دماغ کی پوری وسعتوں میں پھیلا دیتیں اور ان پر شدید ترین ڈیپریشن کا حملہ ہوتا۔

انھیں اب بھی عذرا سے محبت تھی۔ یہ بڑی قاتل چیز تھی۔! اس کی صورت سے اس کی سیرت سے۔ اس کی ہر ادا سے محبت تھی۔ اور یہ محبت ان کی رگ رگ میں رچ گئی تھی کہ ہزار نکالنے پر بھی نکل نہ رہی تھی!۔ انھیں پریشان کر رہی تھی۔ اضطراب بڑھا رہی تھی۔ رُلا رہی تھی! اور یہ محبت بالکل گونگی تھی۔ بے زبان۔ کسی سے کچھ کہتے نہ بنتا تھا!۔ انھیں اندیشہ تھا۔ اگر محبت کو زبان مل گئی اور وہ ٹھکرا دی گئی تب دل کے بہلانے، زندگی گذارنے کا کیا بہانہ ہوگا؟!۔ تب یہ زندگی موت بن جائے گی۔

نہیں۔ اب اسی طرح جینا تھا۔ قطرہ قطرہ موت کا زہر پیتے ہوئے خود کو دھوکے دے کے سب کو دھوکے میں رکھ کے۔!

ناکام محبت کتنی حسین ہوتی ہے۔!

وہ سسکنے لگتے۔

اُف۔ بے وفا۔!

محبت تم سے کی میں نے تمھارے بے وفا ہوتے

اگر تم باوفا ہوتے تو میں نے کیا کیا ہوتا

منصور کو آرام کرنے کا موقعہ دے کر سب باہر آگئے!۔ انھوں نے دیوار کی طرف کروٹ لے لی اور اپنے مایوس و مجروح خیالوں کے خارزار میں آبلہ پائی کرنے نکل گئے!۔

دفعتہً کال بل اتنی زور سے بجی کہ ساری کوٹھی گونج اٹھی۔
"یہ کون بدتمیز ہے" حسن صاحب جھلا کر بولے۔
ایک ملازم باہر بھاگتا نظر آیا۔ پانچ منٹ بعد ایک سُریلی نسوانی آواز غصے میں چنگھاڑتی سنائی دی۔!
"یو۔ ایڈیٹ" ریڈیکل! اٹھاؤ یہ سوٹ کیس! ادھر ایرپورٹ پر کوئی رسیو کرنے نہیں آیا۔ کتنا دیر ہم پریشان رہا تھا ادھر۔ دو گھنٹوں تک ٹیکسی میں سڑکوں کے چکر کاٹا۔ نانسن! اے یہی ہے نا حسن الدین صاحب کا کوٹھی نمبر بارہ۔ کیوں؟
"جی میم صاحب۔ گاؤں ہی سا دیہاتی ملازم سہم کر منمنایا۔
سامان اٹھاؤ۔ چلو۔ ہمارا صورت کیا تکتا۔؟"
ملازم نے سوٹ کیس اٹھا لیے اور صاحبزادی پر ایک نظر ڈال کر اس طرح آگے آگے ہولیا جیسے انھیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہو۔ بہرحال وہ اوپر پہنچ گئیں۔ ان صاحبزادی پر نظر پڑی ہی تھی کہ ڈالان میں موجود افراد پر الگ الگ ردِّ عمل ہوا۔
صبا۔ بیٹی۔ تم!" دل پر ہاتھ رکھ کر مسز حسن نے کہا۔
یہ تم ہو۔ لاحول ولاقوۃ۔!" حسن صاحب نے زیر لب کہا۔
صبا۔! ایسی ہوتی ہیں" مسرور احمد ہکا بکا تھے۔
اور اسما سمیت دونوں بچے بس ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی مثال منھ کھلے ہوئے۔ آنکھیں نکلی ہوئی۔ بھر بچہ کا دم بخود
مسرور احمد حسن صاحب نے ہیں چار سال قبل صبا کو دیکھا تھا۔ پھر بھی نیت ھاکم از کم جسم پر پورا لباس تو ہوتا تھا۔ اور اب۔ بغیر آستینوں کا

کوئی عجیب سا قمیص اس کے بدن پر تھا۔ اتنا چست کہ جیسے بدن پر سی دیا گیا ہو۔ بدرنگ دھبے دار جینز پینٹ۔ جو گھٹنوں پر ڈھیلا تھا!۔ دوپٹہ بیچارہ دور دور نہ تھا!۔ ریشمی بھورے بال کندھوں پر ڈھیر تھے۔ ان سے کسی شیمپو کی بھینی بھینی مہک آ رہی تھی! کندھے سے ایک چوڑے تسمے والا ایر بیگ کمر سے نیچے تک لٹکا تھا۔ اپنی نسواری آنکھوں سے وہ ان سب کو اور یہ سب متحیرانہ نظروں سے اسے گھور رہے تھے! مسز حسن تو حیران ہونے کے ساتھ ساتھ شرمندہ بھی تھیں۔ !گمان تک نہ تھا کہ ایسی ثابت ہو گی۔!

"ہیلو آنٹی۔ انکل۔ آپ لوگ ہمارے کو ریسیو کرنے نہیں آیا" وہ کھڑی کھڑے اچھک رہی تھی: "ہم آپ کا کوٹھی بھول کے رانگ نمبر پے گیا!۔ انکل آپ کتنا بڈھا ہو گیا ہائے۔ ہمارے امریکہ جاتے وقت آپ کا سر اتنا وائیٹ نہیں تھا۔ بٹ۔ یہ اپنا آنٹی ابھی تک لولی اور پریٹی نظر آتا!"

حسن صاحب کھسیا گئے' اور زور زور سے سگریٹ پھونکنے لگے۔ مسز حسن نے کہا: "بیٹی تم تو بالکل بدل کے رہ گئی ہو۔ ہم نے سوچا بھی نہ تھا۔ ارے کیا اپنی زبان بھی بھول گئیں۔ اتنی اردو تو آتی ہو گی کہ ڈھنگ سے بات چیت کر سکو! پھر خواہ مخواہ انگریزوں کی نقالی کر کے کیوں اپنی اوقات خراب کرتی ہو!"

"اب ہم سب کچھ بھول گئے" وہ بولی اور پھر بیگ تخت پر اچھال دیا۔

"ذرا میں باتھ لے گا آنٹی۔ کیدر رہے غسلخانہ۔ بہت بور فیل کرتا۔ اوہ۔ بائی ایر جرنی بھی اچھا مانک نہیں تھا۔ پر وہ ہمارا بوائے فرینڈ جان ڈرمنڈ ویک اینڈ پر ادھر آتا۔ ہمارے کو بھی بوریڈم سے بچا لیتا آنٹی۔ وہ سوٹ کیس آپ کا سرونٹ لوگ کہاں رکھتا!۔ ہمارا کیئر لے!"

بہتر ہو کہ آپ انگریزی ہی میں گفتگو فرمائیے: مسز احمد نے جل کر کہا۔

"خدا کے فضل سے ٹوٹی پھوٹی انگریزی ہم سب سمجھ لیتے ہیں! شکریہ!" ابکی وہ فراٹے بھرنے لگی۔" یقین کرو آنٹی۔ جب آپ کا خط ملا تو بہت خوشی ہوئی۔ یہاں آنے کا بہت دل چاہ رہا تھا۔ لیکن آپ یہ نہ سمجھیے کہ میں شادی کے بعد بھی آپ کے ہاں رہوں گی۔ اوہ۔ نو۔ ہرگز نہیں۔ میں امریکن ماحول اور سوسائٹی کی اتنی عادی ہو چکی ہوں کہ اس ماحول میں میرا فٹ ہونا مشکل ہے۔ پاپا بھی یہی کہہ رہے تھے کہ شادی کے بعد مسٹر منصور کو بھی آمادہ کرنا وہ امریکہ ہی میں سیٹل ہو جائیں۔ پاپا انھیں اچھا جاب دلا دیں گے۔ اوہ میرے خدا۔ یہ لڑکی کون ہے۔ اتنی خوبصورت اتنی حسین!۔ وہ اسما کو دیکھ کر اچھل پڑی۔ گلابی شلوار سوٹ اور ہلکے پھلکے زیوروں میں وہ پری جین سے کم نہیں لگ رہی تھی!۔

مسز حسن اتنے ہی میں سیر ہو گئیں۔ بات ٹالنے کے لیے بولیں :غسلخانہ ملازم نے تیار کر دیا ہو گا۔ تم نہا دھو کے کچھ کھاؤ پیو۔ پھر تفصیلی بات چیت کریں گے!

وہ چونکہ گھر سے واقف تھی۔ اس لیے اپنے سوٹ کیس سے بڑا تولیہ نکال کر غسلخانے کی طرف مٹکتی ٹھمکتی چلی گئی۔

یہاں بھن بھناتا ہوا اشور سامنے آ گیا:" چھوٹے ماموں نے یہ کیا کر کے بھیجا ہو انھیں" مسرور احمد نے ہکا بکا ہو کر کہا: میں تو پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔ اتنی جامے سے باہر نہ تھیں۔ بھلا یہ صاحبزادی ہمارے خاندان میں کھپنے والی ہیں؟۔

استغفر اللہ" حسن صاحب نے غنیمت فرمائی، سفید بالوں کا طعنہ انھیں کھل گیا تھا" کوئی مجھے اپنی سلطنت بھی بخش دے تو میں ایسی لڑکی سے اپنے لڑکے کا مقدر نہ پھوڑوں۔!"

شابش ہے شوکت بھائی کو۔" سر پر ہاتھ مار کر مسز حسن نے کہا۔"
ایسی شتر بے مہار کر زیا ہے چھوکری کو۔ اور تماشہ
دیکھو کہ اکیلی بھجوادی کہ جا بیٹی جا کے اپنا میاں آپ ڈھونڈ لے۔ لعنت
ہے ان کی بے حیائی پر۔ خط لکھ کے خبیث کے منھ پر طمانچہ نہیں مار
دی ہیں۔!"

منصور دیکھے گا تو کیا سوچے گا۔" حسن صاحب فکرمند ہو گئے۔" اسے
غالباً ان صاحبزادی کی آمد کی ابھی اطلاع نہیں ہے۔ پہلے ہی سے اسے
بخار کی تکلیف ہے۔ اب یہ دماغی ہیجان۔ نہیں ثروت۔ میں اسے
گوارہ نہیں کر سکتا۔ اس لڑکی کی وجہ سے اس کی اذیت میں مزید
اضافہ ہو جائے۔! تم اس سے کہو۔ یہ اپنا بندوبست کسی لاج میں کرے۔"
اکیلی لڑکی کو میں لاج میں بھجوادوں۔ ؟ آپ کی بھی باتیں۔" مسز
حسن جن کا دماغ چکر میں آیا ہوا تھا۔ بھنا کر بولیں۔

تو پھر بس۔ ایک آدھ روز کی پر تکلف مہمان داری۔" حسن صاحب
نے فیصلہ سنا دیا۔" اس کے بعد ریٹرن ٹکٹ پکڑا دو ہاتھ میں۔ تشریف لے
جائیں۔!"

اماں وہ آپ کی رقم تو آئی نہیں۔" افتخار حسن نے خطوں کی پوری تفصیل
جان لی تھی۔ یاد کر کے بولا۔

چولھے میں جائے رقم۔ ایسی کی تیسی۔" مسز حسن نے کہا۔
ہنہہ!" حسن صاحب نے کہا۔" کہہ رہی تھی انکل آپ کے بال بالکل ڈا
ہو گئے۔ ارے سر ہمارا بال ہمارے کسی کو کیا لینا دینا۔!"
انگریزی میں مسٹر دُراحمد نے کہا۔" وہ آ رہی ہیں۔!"

بڑبڑاتے ہوئے حسن صاحب اپنے دیوان خانے کی طرف چلے گئے۔ مسنر اور اسما اپنے کمرے کی طرف ہو گئے۔ لڑکے بھی بھاگ گئے۔ سب نے محاذ پر مسنر حسن کو اکیلا چھوڑ دیا۔

اب کی اسے دیکھ کر وہ تیورا گئیں۔ نہا دھو کر صبا نے سرخ بیر بہوٹی کے رنگ کا سا اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ جس کی آستینیں نذر اجل ہو چکی تھیں۔ وہ گھٹنوں سے اونچا تھا۔ گداز چونے کی سی سفید پنڈلیاں عریاں تھیں اور بازو کندھوں تک برہنہ۔! فرط غیرت سے مسنر حسن کا چہرہ تمتما گیا۔

بڑا ضبط کر کے انھوں نے پوچھا "پورے لباس میں تمھیں باہر آنا چاہیئے تھا۔ ننگی کھلی کیوں چلی آئیں۔ بڑے شرم کی بات ہے!"

"واٹ نان سنس، آنٹی؟" صبا نے تیکھی ہو کر کہا: "پورا لباس۔ آپ کا مطلب میں نہیں سمجھی۔ یہ پورا لباس ہی تو ہے۔"

"پوری ننگی ہو۔ دیکھ دیکھ کر میری آنکھیں پھوٹی جاتی ہیں۔" مسنر حسن نے ہر چہ بادا باد کہہ کر حکم دیا: "تمھیں یہ کپڑے اتار کر مسلمان لڑکیوں کا سا پورا لباس پہننا ہے۔ نیچی شلوار۔ نیچا سا قمیص اور دوپٹہ سمجھیں۔ تم اس اسکرٹ میں اپنے پھوپھا اور اپنے بھائیوں کے سامنے آؤ گی۔ تمھیں ذرا بھی حیا نہ آئے گی۔ امریکہ میں دو سال جھک مارنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لاج شرم بھون کر کھا لی جائے تم ہندوستانی لڑکی ہو۔ تم کو یہاں کے آداب و رسوم پر چلنا ہے۔ کیا سب میں مجھے بدنام کرو گی کہ یہ ہے اس کے بھائی کی لڑکی جس نے آج تک اپنے شوہر کے سامنے تک سر سے آنچل ڈھلکنے نہیں دیا۔ جاؤ۔ ادھر کھٹی دروازے والے کمرہ میں تمھارا سامان رکھ دیا ہے۔ جا کے پہلے پورے کپڑے پہنو۔ پھر باہر نکلو۔ میرے گھر میں اللہ رکھے سب

مر دہی مر د ہیں ۔ تم یوں ننگی کھلی ان میں مٹکتی پھرو گی تو شرم کے مارے میں گڑ جاؤں گی ۔ خدا غارت کرے ۔ شوکت کی بے حیائی کو ۔ یہ اس نے تمہیں کیا کر کے رکھ دیا ہے !"

امیا بیبل آنٹی " صبا نے بھی منہ بنا کے کورا جواب دے دیا " میں ایسا لباس پہن کے گھٹن نہیں مول لے سکتی ۔ جب تک میرے جسم کو ہوا نہ لگتی رہا کرے ۔ مجھے سکون نہیں ملتا ! یہ شلوار شرٹ اور دوپٹہ ۔ او ۔ گاڈ ۔ یہ دہقانیوں کے سے کپڑے پہن کے میں کیسے جیوں گی ۔ !"

اگر نہیں جی سکو گی تو براہ کرم تم واپسی کا ٹکٹ لو اور واپس چلی جاؤ ۔"

" کیا ۔ ؟ " وہ حلق کے بل چیخی ۔

" یہ میرا فیصلہ ہے ۔ بس "

" آپ مجھ سے مذاق کر رہی ہیں کیا ۔ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ میں یہاں کیوں آئی ہوں !"

" جو کچھ بھی ہو ۔ تمہیں ہمارا حکم ماننا پڑے گا !"

ایک پل سوچنے کے بعد اس نے کہا " اچھی بات ہے ۔ مگر ۔ میرے پاس ایسے کپڑے نہیں ہیں "

" میں بھجواتی ہوں ۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ ۔ !" مسز حسن نے بیزاری سے منہ پھیر لیا ایک قہر آلود نظر صبا نے ان پر ڈالی اور ٹرا توال اپنے کندھوں کے گرد لپیٹتی تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی ۔ !

مسز حسن متحیر اور پریشان سی بیٹھی سوچتی رہی ۔ کیا اس طرح وہ ان سب پر رعب جمانا چاہتی تھی ؟ امریکن طور طریقوں ، انگریزی میں بکواس کرنے کا رعب ۔ !

پھر وہ بھی اُٹھ گئیں۔ اپنے کمرے میں آ کر دو تین ساریاں بلاؤز وغیرہ لیے اور صبا کو دے آئیں!۔

منصور کا کمرہ اگرچہ کچھ دور تھا لیکن یہ غیر معمولی آوازیں ان تک پہونچ ہی گئیں۔ انھوں نے پردے کی آڑ سے جھانکا اور سارا تماشہ دیکھ کر سخت مکدر و آزردہ ہوئے۔ یہ لڑکی۔ جو آپے سے باہر نظر آتی تھی ان کی قسمت سے چپکائی جا رہی تھی۔ اپنی امی کی جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی پر انھیں بڑا افسوس ہوا۔ اب یہ منحوس بلا آخر کیونکر دفع ہو گی؟ چٹختی ہوئی کنپٹیاں دباتے ہوئے وہ دریچے میں آ کھڑے ہوئے۔ گرم ہوا ان کے گرم چہرے پر تھپیڑے مار رہی تھی۔ تپتے ہوئے نیلے آسمان پر دھندلا غبار چھا رہا تھا۔ بلکے خلا میں پرندے قلابازیاں کھا رہے تھے۔ نصف النہار پر چمکتے سورج کی کرنیں تیر کی طرح فرش پر پڑ رہی تھیں۔ باغ کے زرد و خشک سبزے پر بھوکی چڑیاں، دانے دُنکے کی تلاش میں ادھر ادھر ٹاپک ٹوپے اڑتی پھر رہی تھیں۔ اور تھوڑی دور پر اس گھر کی کھڑکیاں بھی چوپٹ کھلی تھیں۔ جو ان کے لیے شجرِ ممنوعہ بن کر رہ گیا تھا!۔

دنیا کتنی بدرنگ، اور اس کے رہنے والے کتنے رنگ برنگے ہیں۔ خرابۂ کائنات کے وسیع اسٹیج پر اپنی مرضی کے خلاف حرکت کرنے والے مٹی کے گڈے گڑیاں۔!

آدمی غیر مختار ہے تو پھر اپنی مرضی سے سوچنے اور اذیت سہنے کے لیے دل و دماغ کیوں عطا کیے گئے!۔

کچھ دیر وہ کھڑے کھلی کھڑکیوں کے اندر متحرک پرچھائیوں کو گھورتے رہے۔ اور پھر لباس تبدیل کر کے باغ کی راہ لیتے گئے!۔ شاید ایسا کوئی مل

جائے جس سے اس گھر کا حال معلوم ہو سکے!۔

ایک موٹر پر کوئی صاحب ان سے ٹکرائے! منصور کو ہوش آگیا!۔ انھوں نے بڑی لجاجت سے معافی مانگی اور آگے بڑھنے ہی والے تھے کہ دوسرے صاحب نے انھیں بازو سے پکڑ کر روک لیا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں تم۔ منصور ہی ہو نا۔! ارے۔ کب آئے نینی تال سے۔ اپنی آمد کی اطلاع بھی نہ دی۔ اب یہ منھ چھپائے کہاں بھاگے جا رہے تھے؟"

"آ۔ آپ۔ میں نے پہچانا نہیں۔ معاف کیجئے گا!"

"پہچانا نہیں۔ اماں اپنے لنگوٹیے دوست یوسف کو بھول گئے!۔ واہ"

"یوسف؟" منصور کی آنکھیں چمکنے لگیں "ارے۔ یہ تم اتنے گنبد کیسے ہو گئے۔ پہچانے نہیں جا رہے ہو۔ پہلے تو مرزا پھویا تھے کہ زور سے کوئی سانس چھوڑے تو اُڑ جاؤ!۔ یہ انقلاب کیونکر ہوا"

"اب باپ کا دست نگر نہیں رہا" یوسف نے دانت چمکائے "اب اپنی روٹی آپ کھا رہا ہوں۔ سمجھے۔ گنبد پن کا راز یہی ہے۔ میاں دیکھو تو آنکھیں کھل جائیں۔ کوڑی کوڑی لاکھ کر لیے۔ کپڑے کی مل کھول لی ہے۔! اب شہروں شہروں میری ہی مل کا مال جایا کرے گا۔ تمھارے لیے تو نیمتی کپڑوں کے کفان مفت۔ آنکھیں کھل جائیں۔! کبھی آؤ، غریب جلا ہے کے گھر۔!"

"اب کیا سڑک ہی پر کھڑے کھڑے سارا شجرہ سنا دو گے!" منصور نے مسکرا کر کہا "اگر فرصت ہو تو چلو کسی ٹھنڈے ریسٹوران میں چلیں یا پھر میرا غریب خانہ بھی قریب ہی ہے!"

واپسی پر تمھاری دعوت ضرور قبول کرلوں گا۔ اب ذرا جلدی میں ہوں۔

کیا کام ہے ایسا ضروری۔!

سنو تو آنکھیں کھل جائیں۔ میاں، وہ آج چند لوگوں کو بلایا تھا۔ یوسف نے کہا: منیجری کے لیے ایک قابل، پڑھے لکھے اور بھروسے کے آدمی کی ضرورت ہے۔ پرانے منشی صاحب سے کہا تھا کہ گھیر لاؤ کسی کو اگر کوئی ایسا ہو کہ میرا کام اپنا سمجھ کے کر سکے۔! معاوضہ پورے پندرہ سو۔ آنکھیں کھل جائیں مشاہرے کا تذکرہ سن کے!"

تو تم اس طرف کہاں بھاگے جا رہے تھے!" منصور نے پوچھا۔

ہمشیرہ کے گھر پر انٹرویو کا بندوبست کیا تھا۔ ہمارے گھر پر بڑے میاں کارخانہ جمنے نہیں دیتے۔ بیچ بیچ میں اپنا ڈنڈا اٹکا دیتے ہیں۔ بہت تنگ ہوں ان سے۔ ماشاء اللہ پورے پچاسی کے ہیں۔ مگر ابھی تک اوپر سے رجسٹری خط نہیں آیا۔"

کیا بکتے ہو۔ واہیات" منصور نے کہا پھر بولے "سنو! یوسف۔ اگر تم نے کسی خاص شخص کا انتخاب نہ کر رکھا ہو۔ یا تمھاری کچھ شرائط نہ ہوں، تو ایک بہت قابل اعتماد، شریف اور مخلص آدمی کی نشاندہی میں کر سکتا ہوں۔ مجھ پر تو تمھیں بھروسہ ہو گا!"

آنکھیں کھل جائیں میاں۔ اگر مجھ پر یہ احسان کر دو۔!" یوسف نے گھگھیا کر ان کا ہاتھ تھام لیا: "اب مجھے نہ تو اُلّو کے پٹھے منشی صاحب پر اعتبار ہے۔ نہ ان گدھوں پر جو تنخواہ کی رقم کے لالچ میں خود کو شریف اور ولی اللہ بن کر میرے پاس آتے ہیں۔"

ہاں" منصور نے ہنس کر کہا "لیکن میں جن صاحب کی نشاندہی کروں گا۔

وہ یونہی نہیں آجائیں گے۔ ان کی پوزیشن بڑی ہے اور وہ خود بہت بلند آدمی ہیں۔ اور تم جانو میاں کہ شریف آدمی ہی پر دقت آتا ہے۔ لہٰذا تم کو ایک کام کرنا پڑے گا!"

"کام تفصیل طلب ہے شاید۔ چلو تو پھر سامنے کیفے ہی میں بیٹھ جائیں"۔ یوسف نے کہا۔" سچ کہتا ہوں۔ تم سے مل کے بہت خوشی ہوئی۔ اچھی ساعت میں گھر سے نکلا تھا"۔

دونوں ایک کیفے کے پرسکون گوشے میں جا بیٹھے۔ یوسف نے کولڈ ڈرنک منگوایا۔ اور پھر منصور نے پوری تفصیل سے کارٹر نگاڑی کے بند ہونے اور اس کے سارے درکرز پر گزرتے ذاتی تکلیف کا تذکرہ کرتے ہوئے صفدر صاحب کا غائبانہ تعارف کرایا۔ اور ساتھ ہی پرزور لفظوں میں سفارش کی کہ انھیں موقعہ دیا جائے۔ ان سے بڑھ کر شریف اور معتمد آدمی انھیں نہیں مل سکتا!۔

"ساری رام کہانی جانتا ہوں میں بھی"۔ یوسف نے کہا۔ اور پھر کمپنی کے ڈائریکٹر کی شان میں چند گالیاں ارشاد فرماتے ہوئے بولے" خود تو کہیں مزے کر رہا ہوگا۔ مگر کتنوں کی روزی پر آفت ڈھا گیا ہے۔ آنکھیں کھل گیئیں سب کی۔ توبہ۔ ہاں تو کیا کرنا چاہیئے مجھے۔ جلدی بتاؤ۔ ادھر منشی صاحب کی نانی مری جا رہی ہوگی انتظار کرتے کرتے!" وہ ہمہ تن گوش ہو گئے!۔

"سب سے پہلے تو یہ کہ میں جو پلان بناؤں گا۔ اس میں بھولے سے بھی میرا نام کہیں نہ آئے۔ اور پھر یہ کہ تمھیں سہولت سے سب کام کرنا پڑے گا۔ تم اپنا ایک آدمی ان کے پاس بھیجو گے۔ یا خود ملو گے اور کہو گے

کہ مینجر شپ کے لیے تمھیں ان کے سے اعتبار کے قابل انسان کی ضرورت ہے۔ تم اتنا مشاہرہ انھیں دے سکو گے۔ اور یہ کہنا کہ ان کا نام و پتہ تم نے اپنے کسی قابل دوست سے سنا ہے۔ لہذا ان کا پتہ معلوم کر کے ان کی خدمت میں درخواست لے کر پہونچے ہو۔ سمجھ گئے ؟"

اچھا۔ ان صاحب کا نام۔ ؟ ان کا پتہ۔ ؟ ذرا یہ بھی بتا دو۔ آنکھیں کھل جائیں !"

یہ تکیہ کلام ہے کیا ؟"

باوا جان کا۔ بات بات پر دھمکیاں دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ فلاں کام کرو گے تو آنکھیں کھل جائیں گی۔ ارے میں کہتا ہوں کہ تب تو آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گی۔ لاحول ولا۔ اب یہ ان کا تکیہ کلام میری زبان پر ایسا چڑھ گیا ہے کہ لعنت خدا کی۔ اخیر تم تو کام کی بات کرو۔ ان صاحب کا نام و پتہ ذرا مجھے لکھوا دو میاں۔ یاد داشت اچھی نہیں ہے میری۔ !"

وہ تو کبھی نہیں رہی۔ !" منصور نے کہا۔ ! اور پھر بولے " اچھا تو لکھو میں بولتا ہوں ! ۔

اس کے بعد والا لمحہ منصور کے لیے تحیر خیز تھا۔ جب صفدر صاحب کا نام سن کر یوسف نے آنکھیں پھاڑ کر نوٹ بک بند کر دی۔ اور چند جدید مغلظات کا نذرانہ منصور کی خدمت میں پیش کر کے کوسنے دینے لگے ! ۔

اسی کو کہتے ہیں۔ نیکی برباد گناہ لازم " منصور نے شکایت کی " میں تو تمھاری مدد کر رہا ہوں اور تم ۔ !"

بندۂ خدا۔ تم پر اللہ کی کوئی نیکی نہ اُترے۔ تم سمجھے نہیں کہ۔ !"

اللہ کی نیکی" منصور نے کہا" محاورے کی مٹی پلید نہ کرو۔ گناہ ہوتا ہے۔ ارے یوں کہو کہ اللہ تمھیں نیکی دے!۔

بہت وقت خراب کیا تم نے" یوسف نے دانت بھیں کر کہا اور بدحواس بدحواسوں کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے" اتنی لمبی تمہید اٹھائی کہ اب صفدر سعید صاحب شاید گھر سے نکل بھی گئے ہوں۔

کیا مطلب۔؟" منصور بھی اٹھ گئے۔

"مطلب یہ کہ جان عالم۔ میں ایک صاحب سے مشورہ لے کر انہی کے پاس تو جا رہا تھا۔ ورنہ تمھاری گلی میں میرا کیا کام۔ اب چلو جلدی سے۔ مل آئیں ان سے۔ خدا کرے کہ وہ راضی ہو جائیں۔ چلو جلدی کرو۔ بچہ!"

میں تو ذرا۔ ڈاکٹر احمد کے ہاں جا رہا ہوں۔ تم جاؤ۔ اور واپسی پر نتیجہ مجھے سنا دینا" منصور نے کہا۔ خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ صفدر صاحب کو معقول مشاہرہ پر شریفانہ اور ان کے شایان شان کام مل جائے گا!۔

واپسی پر تمھارے ہاں کھانا کھاؤں گا۔ انتظار کرنا۔ کیوں آنکھیں کھل گئیں بیٹا"

"بکواس مت کرو۔ پہلے جاؤ!" منصور نے ڈھکیل کر یوسف کو لیفے سے باہر نکال دیا۔ اور خود ڈاکٹر صاحب کے ہاں جانے کی بجائے پھر گھر کی طرف پلٹ پڑے۔! ادیہ پہونچے ہی تھے کہ مردانہ ڈرائنگ روم سے بھاری اور نسوانی آوازوں نے ان کے قدم روک لیے!

صبا کی آواز انھوں نے پہچان لی مگر دوسری آواز۔ وہ یقیناً نئی

تھی۔

امریکہ میں بھی اور راستے بھر تم مجھے تسلیاں دیتی آئیں کہ تمہارے دوست کی حیثیت سے میرا خیر مقدم ہوگا۔ مگر اب تم نے مجھے گیسٹ ہاؤز میں جھونک دیا ہے۔ کیا مطلب ہے اس کا؟۔ اب تم کہتی ہو کہ میں تم سے یہاں ملنے بھی نہ آیا کروں۔ صبا۔ پلیز۔ بتاؤ۔ یہ سب کیا معاملہ ہے!"

"ہشت! آہستہ بولو" صبا نے کہا "میں شروع ہی سے کہتی رہی ہوں کہ تم بالکل احمق ہو۔ ہمارے ہاں ایک مثل ہے کہ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں اور یہاں یہ کان بہت بڑے بڑے اور تیز ہیں اب تم یہاں نہ آنا۔ یہ لوگ بہت دقیانوسی، بیک ورڈ اور تاریک خیال ہیں۔ تمہارا یہاں آنا۔ اور مجھ سے ملنا پسند نہ کریں گے! بیکار کام خراب کرکے کیا فائدہ۔ سمجھے۔ اس لیے تم گیسٹ ہاؤز ہی میں مقیم رہو میں آج شام گھومنے کے بہانے باہر نکلوں گی اور تم سے ملوں گی۔!"

"کیا مطلب۔ ملوں گی۔ رہو گی نہیں؟"

پھر وہی پاگل پن۔ حماقت۔ رہوں گی تو ان لوگوں کو شبہ پیدا نہیں ہوگا۔ ڈیر۔ سمجھا کرو۔ ابھی یہ مشرقی قدامت پسند بڈھے اتنے روشن خیال نہیں ہوئے کہ تمہاری قوم کی طرح لڑکے لڑکی کی ملاقات یا بے تکلفی کو آسانی سے برداشت کرلیں۔ خیر۔ پوری بات میں تمہیں پھر سمجھاؤں گی۔ اس وقت موقعہ نہیں ہے!۔

ڈارلنگ۔ یہ لباس تم نے کب سلوایا۔ اس میں بہت اچھی لگ رہی ہو"

ڈارلنگ۔؟ منصور چونک پڑے۔ تو معاملہ کچھ دور تک پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ صبا بڑی حقارت سے کہہ رہی تھی۔ ارے۔ یہ میرا لباس نہیں ہے۔ مجھے ہندوستانی لباسوں سے نفرت ہے۔ یہ تو اسی کند دماغ دقیانوسی بڑھی نے زبردستی پہنا دیا ہے۔ اب یوں لگ رہا ہے کہ جیسے کسی نے مجھے وزنی کمبل میں لپیٹ کے رکھ دیا ہو۔ مجھے اس عورت کی اترن گندی بھی لگ رہی ہے!"

پھر آوازیں بند ہو گئیں! منصور نے برہم ہو کر ہونٹ بھینچ لیے۔ صبا نے ان کی والدہ کی شان میں کہا تھا۔ دقیانوسی گندی بڑھی عورت۔ اور والدہ محترمہ اپنی بھانجی کو بہو بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں خیر۔ وہ ڈیوڑھی سے ہٹ کر زینے کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ ریلنگ تھام لی۔

کچھ ہی دیر بعد زیوان خانے سے صبا برآمد ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک امریکن تھا۔ اونچا لمبا تاڑ کا سا قد۔ سرخی مائل زرد زرد بال، دھواں ایسے چہرے پر سرخ و سیاہ زرد و سفید تل بکھے ہوئے تھے۔ کانچ کی گولیوں کی سی گہری نیلی نیلی آنکھیں۔ نمایاں طور پر سرخ ہونٹ سفید جرسی اور بھورے رنگ کے چپکے ہوئے پتلون میں ملبوس۔

ادھر وہ جھجکے! ادھر منصور نے حیران رہ جانے کی اداکاری کی۔ اور زبردستی ایک استقبالیہ مسکراہٹ لبوں پر لانے میں کامیاب ہو گئے۔

ہیلو۔ مسٹر منصور، صبا سنبھل گئی پھر زینے کر آگے بڑھی۔ "کہاں تھے ابھی تک ان سے ملو۔ یہ میرے ہم سفر مسٹر جان ڈائمنڈ ہیں۔ امریکہ کے مشہور بزنس مین مسٹر آرتھر ڈائمنڈ کے بیٹے۔ ! یہ بھی بزنس مین ہیں!" منصور

نے بڑے تپاک سے جان سے مصافحہ کیا اور ہنستے ہوئے بولے: معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ سے حیدرآباد تک کے طویل سفر میں آپ نے مس صبا کو اپنے متعلق بہت کچھ بتا دیا ہے۔ بہرحال بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کے۔ کیونکہ آپ جانیئے کہ اگرچیکہ آپ حضرات کو ہمارے ملک سے رخصت ہوئے مدت ہو چکی ہے۔ مگر ہماری دقیانوسی، پرانی اور گندی ذہنیت ابھی تک آپ کے وجود کے جلال سے متاثر و مرعوب ہے! ۔ ارے۔ آپ تو شاید جا رہے ہیں۔ آیئے نا۔ اندر تشریف لے چلیے۔ میرے والدین سے ملیے۔ آپ صبا کے ہم سفر ہیں۔ نجانے دوران سفر میں آپ نے ان کا کتنا ساتھ دیا ہوگا۔ کم سے کم میرے ماں باپ کا شکریہ تو قبول کر لیجیے۔ ویسے صبا نے آپ کا بہت بہت شکریہ تو ادا کر ہی دیا ہوگا!!"

اگرچہ کہ منصور نے بہت ہنس ہنس کر اور بڑے اخلاق سے یہ تقریر کی تھی مگر اس کے بطن میں سلگتے جہنم کی تپش تو دونوں ہی نے محسوس کر لی! صبا بڑی متعجب تھی۔ اس نے ڈھائی سال قبل اپنی منگنی کے موقعہ پر منصور کو دیکھا تھا۔ تب وہ خاص شخصیت کے مالک نہ تھے۔ تیئس چوبیس برس کے لڑکے سے لگتے تھے۔ مگر اب اس کی ستائشی نظریں رہ رہ کے ان پر پڑ رہی تھی۔ وہ تو پہلے والے لگتے ہی نہ تھے۔ بالکل بدل گئے تھے۔! وہ اتنی متاثر ہوئی کہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ البتہ جان گلوگیر سی گونجیلی آواز میں بولا۔

"آپ کا تذکرہ مس شوکت نے لیا تھا۔ میں آپ سے ملنے کا متمنی تھا۔ بہت اچھا ہوا کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ اب میں آپ سے ملتا رہوں گا۔ اچھے دوستوں کی رفاقت کا طلبگار رہتا ہوں۔ مگر۔ اس وقت اجازت

چاہتا ہوں۔ فی الوقت یہ پوچھنے اور معلوم کرنے آگیا تھا کہ مس شوکت بخیر و عافیت اپنوں میں پہونچ گئی ہیں؟ "

اس کے رخصت ہونے کے بعد منصور صبا کی طرف مڑے۔ وہ دلیری سے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی رہ گئی منصور نے کہا۔

" اچھے ہم سفر بھی خدا کی مہربانی سے ملتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ بیچارے مسٹر جان کتنی محبت اور خلوص سے آپ کی خیریت پوچھنے آئے! ۔ اچھے دوستوں کے متلاشی ہیں۔ اب خدا جانے ان کے حق میں اچھا دوست ثابت ہوسکتا ہوں کہ نہیں۔ ورنہ میں اپنی خدمات پیش کرتا! خیر آئیے اندر چلیں ۔! "

" مسٹر منصور! ہم آپس میں عزیز بھی ہیں اور ہم میں ایک رشتہ اور بھی ہے پھر میں حیران ہوں کہ آپ مجھ سے اتنے مغائرانہ لب و لہجے میں کیوں بات کر رہے ہیں " بالآخر صبا نے زبان کھولی " اگر آپ جان کی وقتی دوستی سے ناراض ہیں تو۔ یہ آپ کی زیادتی ہے۔ میں آزاد ماحول و معاشرے کی عادی ۔! "

" ایسی کوئی بات نہیں ہے " اخلاق سے منصور نے جواب دیا " یقیناً آپ پر میرا حق اتنا ہرگز نہیں ہے کہ میں آپ کی نقل و حرکت یا اعمال افعال پر نکتہ چینی کا مجاز ٹھہروں اور مس شوکت یہ خیال بھی آپ دل سے نکال دیجئے کہ میں آپ کی کسی حرکت سے ناراض ہو سکتا ہوں بالکل نہیں! "

مس شوکت۔ مس شوکت کیا۔ ؟ " صبا نے جھلا کر کہا " کیا میرے لئے آپ کے نام نہیں ہیں! ۔ آپ مجھے میرے نام سے مخاطب کیجئے! "

اوہ۔ ہاں شاید۔ آپ کے والد صاحب میری والدہ کے حقیقی بھائی ہیں۔ یقیناً یہ رشتہ بہت قریب کا ہے۔ اچھا کیا آپ نے یاد دلا دیا۔ آپ کا شکریہ۔ آئندہ خیال رکھوں گا!۔ پھر ان کی نگاہ دفعتہً نظام پر پڑی۔ جو منہ لٹکائے ادھر آرہا تھا!۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔!

منصور بھائی؛۔ اس نے صبا پر ایک نگاہ ڈال کر رکتے رکتے کہا۔ "اماں کو اختلاج کا شدید دورہ پڑا ہے۔ کچھ دیر قبل کوئی یوسف میاں آکر اپنے ساتھ ابا کو لے گئے! اب اماں گھبرا رہی ہیں۔ آپ کو بلانے کے لیے بھیجا ہے۔! اگر آپ کو فرصت ہو تو چلیے۔!"

صبا سے اجازت لیے بغیر منصور نے نظام کے ساتھ قدم بڑھا دیے۔

صبا دانت پیستی اور چیلنج کے انداز سے سر ہلاتی اندر چل دی۔

وہ یہاں آتے ہی بھانپ چکی تھی کہ پھوپھی اندازے سے زیادہ متمول ہیں۔ ان کی دولت میں وہ بھی اپنا حصّہ چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ منصور اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ لہٰذا ان کا جو کچھ تھا وہ اس کا بھی تھا۔ بڑھے پھوپھا پھوپھی کے دن کے۔ پھر وہ سب لڑکوں کو نکال باہر کرے گی۔! اور پھر سب کچھ اس کا ہو گا۔

اس کا پلان بہت بڑا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ اپنے راز دار ساتھی کو امریکہ ہی سے ساتھ لگا لائی تھی!۔

بے شک دو ڈھائی سال قبل وہ اس قابل تھی کہ مسز حسن کی بہو بن سکتی۔ مگر اس عرصہ میں اس نے خود کو بالکل تبدیل کر دیا تھا۔ آزاد معاشرے میں اس حد تک آزاد ہو گئی تھی کہ خود شوکت صاحب نالاں ہو گئے تھے۔ وہ اسے لگام دینا چاہتے ہی تھے کہ وطن سے بہن کا خط

پہونچا۔ اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ۔ انھوں نے فوراً لڑکی کو ان کے پاس بھجوا دیا کہ امانت ان کی ہے۔ وہی اسے سیدھا کر دیں گی!!

عین دوپہر کو جب دان جلنے لگا تھا کسی نے صفدر صاحب کے دروازے پر ایسی زوردار دستک دی جس میں فوری طلبی مضمر تھی! وہ بعجلت تمام اپنی بیاض رکھ کے باہر گئے!۔ اور جذبہ تجسس عذرا کو بھی باہر کے کمرے کی طرف ڈھکیل لے گیا!۔

ملاقاتی اور صفدر صاحب دہلیز ہی پر کھڑے باتیں کر رہے تھے!۔ عذرا نے پردے کی دراز سے کان آنکھ چپکا دیے!۔ وہ رازجوئی کی عادی نہ تھی۔ مگر اسے ہر آن امید رہتی تھی کہ شاید کمپنی کے ڈائریکٹر صاحب کے دل میں خدا نے ایمان ڈال دیا ہو۔ وہ واپس آگئے ہوں اور پھر ان کا فرستادہ صفدر صاحب کو بلا لے جائے!۔

یہاں معاملہ ڈائریکٹر صاحب کا نہ تھا۔ بلکہ دوسرے کا تھا لیکن بڑا دل خوش کن۔ ملاقاتی صاحب بڑی بلند آواز میں نہایت بے تکلفی سے گفتگو کر رہے تھے۔! انھوں نے اپنے کاروباری معاملات کی تفصیل سنائی تھی۔ اپنے پلان سے آگاہ کیا تھا۔ اپنے مقاصد واضح کیے تھے اور پھر پورے پندرہ سو کے آفر کی بات کرتے ہوئے دستخط کے لیے چپکے کاغذ صفدر صاحب کے سامنے کر دیے تھے!!۔

صفدر صاحب اس غیبی مدد پر خوش بھی تھے۔ حیران بھی۔! انھوں

نے ہکلا کر پوچھا تھا۔

"لل۔ لیکن جناب۔ میرا نام آپ کو کس نے بتایا۔ اور یہ بھی کہ۔ بیں۔!"

"اب ان بیکار تفصیلی معلومات کو ایک طرف رکھیئے۔ صفدر صاحب آپ میرے ساتھ چل کے اپنے کام کا جائزہ لے رہے ہیں کہ نہیں۔ واللہ ہے کہ آج اسی لیے اس اللہ کے بندے سے میری ٹکر ہوئی تھی۔ آنکھیں کھلی رہ گیئں۔ اور اب آنکھیں کھل جائیں گی۔ منشی صاحب کی اور ان کے چہیتوں کی۔! انھوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر صفدر صاحب کو دروازے کی طرف ڈھکیلتے ہوئے بولے۔" جایئے۔ لباس تبدیل کر کے آیئے۔ نوری چلنا ہے بڑے میاں الگ سوکھ رہے ہوں گے۔ ہر معاملہ میں بول کے میری ہوا نکال دیتے ہیں۔ آپ کو ملواؤں گا بڑے میاں سے۔ آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔ اچھا ذرا جلدی کیجئے۔!"

صفدر صاحب خوش خوش اندر آئے تھے۔ اور صوفیہ بیگم سے بولے تھے" روز عشاء کی نماز کے بعد جو وظیفہ آیۂ کریمہ کا پڑھتا تھا۔ اسی نے اپنا اثر دکھایا ہے۔ اللہ نے بالآخر میری سن لی۔ گھر بیٹھے ڈیڑھ ہزار کا آرڈر آگیا۔ دعا کرو کہ مستقل ہو جائے۔ انشاءاللہ گیارہویں شریف ضرور کروں گا۔!"

وہ بڑی جلدی میں بش شرٹ کی آستینیں پہنتے ہوئے باہر چل دیے!۔

اللہ تیرا شکر ہے۔!" عذرا نے بڑی عقیدت و محبت سے پہلی دفعہ اللہ میاں کے آسمان کو دیکھا! اور پھر صوفیہ بیگم کے پاس آ بیٹھی۔

کئی روز سے ماں بیٹی میں کشاکش سی تھی۔ وہ پچھتا وہ دل میں گھری تھیں لیکن عذرا صرف انھیں زچ کر رہی تھی۔ اسے فرضی اور اصل اختلاجوں کا فرق معلوم تھا۔ وہ منہ بنا کے ماں کے پاس بیٹھی تھی اور پیٹ میں کبوتر

اُمڈ رہے تھے۔ کیونکہ خوشخبری سنائے کہ یہ فرضی اور نقلی اختلاج بھی بھاگ جائے۔
پھر جب صوفیہ بیگم نے نہایت دردناک نظروں سے اسکی طرف دیکھا تو ہنسی ضبط کرنے میں اسے بڑی دشواری پیش آئی۔ بیچاری اماں اداکاری میں بالکل کوری نکلیں۔

اس نے اپنا چہرہ چھپانے کے لیے زانوؤں میں سر چھپالیا۔ اسے متاثر دیکھ کر صوفیہ بیگم نے مری ہوئی آواز میں کہا "نہ رو بیٹی۔ جی خراب نہ کرو۔ اب میں اچھی ہوں لحذرا کھڑنے لگی میں تجھے طمانچہ مار کے بیمار پڑی ہوں"۔ صوفیہ بیگم نے دل صاف کیا "بیٹی جب آپے سے باہر ہوگئی تھی۔ معاف کردے مجھے۔ تجھ سے شرمندہ ہوں۔ جی کا ملال دور کردے میری بچی۔ میں تیری پریشان صورت دیکھ دیکھ کے دل ہی دل میں رو رہی ہوں۔ دیکھ لینا میری چاند۔ تو اگر پہلے کی طرح مجھ سے ہنسے بولے گی نہیں تو میں مر جاؤں گی گھل گھل کے!"

اماں مجھے آپ حلال بھی کر سکتی ہیں۔ اچھائی کی خاطر آپ نے مارا ہوگا۔ اب آپ نے دل صاف کرلیا۔ اچھی ہو جایئے۔ نہیں تو میں مر جاؤں گی گھل گھل کے۔

"دور پار دشمن! میری عمر تجھے لگ جائے!"۔ اچانک وہ رو پڑیں۔ بہت کچھ یاد آگیا تھا۔ وہ دورِ عیش، وہ زمانۂ راحت و آرام۔ وہ فراغت و خوشحالی، وہ صفدر صاحب کے لاڈ دلار، پھر اختلاج کی تکلیف وہ یادوں کے ہجوم میں صفدر صاحب کی خفگی اور گھڑکیاں یاد آگئیں اور آنسوؤں کے ریلے تیز ہو گئے! صوفیہ بیگم کی شکل اتنی مضحکہ خیز بن گئی تھی اور جذبات کے ہجوم میں وہ کبھی ایک بات پر جمپ کر جاتیں کبھی دوسری اور پھر تان ٹوٹتی تھی اپنے فرضی خفقان کے دورے اور ناگہانی موت پر۔ عذرا کا یہ حال تھا کہ ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں ان کے سینے میں درد ہونے لگا تھا۔! وہ یوں چہرہ موڑے بیٹھی تھی کہ جیسے بہت متاثر ہو

رہی ہو۔!

اسے خاطر خواہ متاثر ہوتے دیکھ کر صوفیہ بیگم نے اسے اور پریشان کرنا واجب سمجھا اپنی حالت کو سنگین بنانے کے لیے بولیں۔

"اچھا ہوتا کہ منصور میاں آجاتے۔ تم اکیلی کیا کیا کرو گی"

اور بس۔ عذرا کا ضبط رخصت ہو گیا۔ اس نے ڈوپٹے کا آنچل منھ میں ٹھونس لیا۔ اور اس بری طرح ہنسی ہے کہ اسے اچھو لگ گیا۔

دفعتہً دروازہ کھلا۔ اور منصور کی آواز آئی۔

"آسکتا ہوں"

اے میاں جم جم آؤ۔!" وہ یک لخت اداکاری بھول گئیں۔ اور اٹھ بیٹھیں ہر طرح تر و تازہ تھیں۔ منصور تو خود کو ایک غمناک صورت حال کے معائنے کے لیے تیار کر کے آئے تھے۔ حیران رہ گئے!۔ یہ تو اچھی خاصی تھیں۔ تو پھر ان کی طلبی کیوں ہوئی تھی ان کی نظریں عذرا پر پڑیں۔ سفید لباس پہنے پیٹھ پر بال بکھرائے، کتنی پیاری لگ رہی تھی اس پر حالات کا رائی کے دانے کے برابر بھی اثر نہیں۔ نہ اپنے باپ کی مفلسی کا۔ نہ اپنی سروس کے چھوٹنے کا۔ اور نہ وہ اس بات پر مغموم تھی اس کا کالج آنا جانا بند کرا دیا گیا تھا! فی الحال نہیں جا رہی تھی۔ اور اپنی ضد میں تعلیم ادھوری چھوڑ کر یوں صوفیہ بیگم کو ضیق النفس میں مبتلا کر کے سزا دے رہی تھی!۔

کیسی طبیعت ہے باجی۔! نظام نے کہا کہ اختلاج ہو رہا ہے" منصور نے کہا "کیا ڈاکٹر کو بلواؤں!"

یہ تو زندگی بھر کا روگ ہے میاں" انھوں نے بناوٹی آہ بھر کر کہا۔ "تم کہو تم کیسے ہو۔ سنا تھا کہ پھر حرارت آگئی تھی۔

ارے اس کا کیا۔ آتی جاتی رہتی ہے؛ منصور ہنسے۔
"بیٹی چائے لادو۔!" صوفیہ بیگم نے کہا۔
جی نہیں! مجھے چائے کا ایک قطرہ تک پینا نہیں ہے؛ منصور نے کہا۔
شکریہ!؛ عذرا بولی اور اُٹھ کر چل دی۔
نجانے اس کا کیا ہوگا؛ صوفیہ بیگم جو یکبارگی شرمندہ ہوگئی تھیں بیٹی کی غیبت پر اتر آئیں؛ ضدی اتنی ہے۔ باپ نے سرکش کر دیا ہے۔ ارے ذرا میں نے برا بھلا کہہ دیا تھا سو دیکھو کہ اب تعلیم چھوڑ کے گھر بیٹھ گئی ہے۔ دو تین مہینے سالانہ امتحان کے باقی ہیں۔ مزے میں ایک سال بی اے کا ہوجاتا!۔ اب اسے کون سمجھائے؛
ایک علاج ہے ان کا۔ ان کی شادی کر دیجئے۔ شوہر خود ٹھوک پیٹ کر راہ پر لے آئے گا!؛
شادی۔!" انھوں نے سرد آہ کھینچی؛ اللہ ہی کرائے شادی۔ ہاں۔ وہ تمھاری شادی کا کیا ہوا۔ اسما گھنٹہ بھر کے لیے آئی تھی۔ کچھ کہہ رہی تھی کہ تمھارے ماموں کی بیٹی آئی ہیں۔ پھر ان کے بارے میں کچھ سوچا ہے۔ ثروت باجی نے۔ طے کیا کچھ؟؛
"پتہ نہیں۔!" منصور نے کہا؛ ویسے میں تو بہت چاہتا ہوں کہ کل کی ہوتی آج ہوجائے۔ مجھے وہ لڑکی بے حد پسند ہے۔ آپ نے ملاقات کی اس سے؟"
ڈوبتے دل کو سنبھال کر صوفیہ بیگم نے کہا؛ ذرا ٹھیک ہولوں تو پھر آؤں گی!؛
عذرا اپنے کمرے میں چھپی پردے کی آڑ سے انھیں جھانک رہی تھی اور ستائشی انداز میں سر ہلا رہی تھی!۔

بہت اچھے لگ رہے ہیں گھر کے لباس میں۔ کلی سا پاجامہ، بادامی رنگ کا کڑھا ہوا کرتہ۔ اترا ہوا چہرہ، تھکے ہوئے انداز، وہ پھیکی سی مسکراہٹ۔!

عذرا سوچ رہی تھی آخر انھوں نے ان کے ساتھ اتنی ہمدردی کیوں تھی۔ اس کی وجہ کیا تھی۔؟۔

پھر وہ آہٹ سن کر چونکی!۔

اور سر اٹھایا تو منصور کی نظروں سے نظریں مل گئیں۔ اس نے پردہ سرکا دیا۔

کم از کم آپ نے مجھے سلام تو کیا ہوتا" منصور نے کہا۔ اپنے دل کا درد بھول چکے تھے۔

جو آدمی کسی کے گھر چائے تک پینے کا روادار نہ ہو۔ اس سے سلام کیا کلام کیا؟"

واہ واہ" منصور نے سر ہلا کر کہا" ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ مجھے یاد ہے آپ نے میری خدمات کیونکر ٹھکرا دی تھیں۔ بدلہ تو مجھ پر واجب ہو جاتا ہے!" وہ حیران تھے کیسی مضبوط اداؤں کی مالک کتنی لاپرواہ لڑکی تھی۔ انھوں نے اسے چڑھانے کے لیے صبا کی تعریف کی تھی۔ اس کا اثر بھی اس پر نہ تھا۔

"فرمایئے۔ کوئی خدمت مجھ سے لینی منظور ہے؟۔ وہ پوچھ رہی تھی آپ سے نہیں، بلکہ مجھے آپ کی خدمت میں صوفیہ باجی نے بھیجا ہے سفیر بنا کے۔ تاکہ میں آپ سے تبادلہ خیال کر کے آپ کو سمجھاؤں۔ آپ اپنا مستقبل برباد نہ کریں یا تو تعلیم پوری کر لیں یا شادی کر لیں۔ اب آپ کتابوں لوکی کی بیل کی طرح بڑھتا ہوا دیکھنا ان کے لیے بڑا جان جوکھم

کا کام ہے۔"

بہت اچھا۔" عذرا نے مسکرا کر کہا۔" ماں بی بیں نے سیر کی بات اور پوچھو۔؟ اور کیا حکم ہے؟۔

اور تو۔ کک کچھ نہیں۔" منصور ہکلائے۔" وہ۔ کون۔ خوش نصیب ہے اس کا نام۔ پتہ۔ تاکہ میں آپ کی والدہ محترمہ کو آگاہ کر دوں!۔

خوش نصیب۔" عذرا نے دانت پیسے۔" وہ دنیا بھر کا بدنصیب ہو جائے گا جو مجھ سے سر پھوڑ کے۔ سمجھے۔ ناکوں چنے چبوا دوں گی۔ آگ لگا دوں گی اس کی داڑھی میں۔

اور۔۔!"

"اگر اس کے داڑھی نہ ہو تو۔!" منصور نے بھولپن سے پوچھا۔

اماں کی عقل کو کیا کہوں۔" عذرا بولی۔" اسے اپنا سفیر بنا کے بھیجا ہے جس کا اپنا معاملہ کھٹائی میں پڑا ہے۔ ارے کیا مجھے اپنے پڑوس کے حالات معلوم نہیں ہیں۔

"آپ چاہیں تو یہ ناگوار کھٹائی خوشگوار مٹھائی میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اچھا مجھے یہ بتایئے کہ آپ کے مخبر کون کون ہیں؟"

"ارے میرے اپنے بھائی بہن کچھ کم ہیں کیا؟"

منصور کو ہنسی آ گئی۔" اچھا اب میں جا کے اسما کے کان کھینچوں گا غیروں سے کیوں اپنے گھر کے راز کہتی پھرتی ہے۔

"کسی کے رازوں سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔!"

"اب یہ نوک جھونک بند کرو۔ عذرا۔ اور پلیز بتاؤ کہ آخر تم اتنی ناسمجھی کیوں کر رہی ہو۔ باجی بڑی پریشان ہیں۔ ان کے منہ سے ایک بات

نکل گئی تھی۔ تم نے آخر پڑھائی کیوں چھوڑ رکھی ہے" منصور نے پوچھا۔

"ایک سال تمھارا بی اے کا باقی ہے۔ اسے تو مکمل کر لو"

"آپ کو کیا پریشانی ہے۔؟"

"کبھی تو تمیز ادب سے بات کیا کرو۔!

کیا ضروری ہے کہ کسی سے بات کی ہی جائے!۔

"تمھاری دیدہ دلیری حد سے بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر تم سے بدلہ لینے پر آمادہ ہو جاؤں۔ تو"

"میں آپ کو بہت بہادر، اعلا خیالات کا مالک اور عالی ظرف سمجھوں گی۔!"

بہت اچھا بہت اچھا!"

منصور نے ایک دھار دار نظر اس پر ڈالی اور واپس مڑ گئے۔ وہ متحیر تھے۔ ایسی عجیب لڑکی ہے۔ اگر وہ انھیں مل جائے تو پھر ایسی لڑکیاں کتنی مخلص اور سچی ہوتی ہیں۔ جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر۔ بے ریا بے لوث! پھر عذرا کے لطیف پیکر پر صبا کے ناگوار پیکر نے نقاب ڈال دی۔ اور خود سامنے آگیا۔ اپنے تمام مکر وہات کے ساتھ!۔

"نہیں" منصور نے سر ہلایا "اسے واپس جانا ہے!!

تین ہی چار دن میں صبا نے مسز حسن کے گھر کا ذہنی و قلبی سکون ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔ ایک تو وہ حسن صاحب کے ملازموں پر اس طرح حکومت

کرتی تھی۔ جیسے وہی ان کی حاکم ہو۔ دوسرے اپنی انگریزی بکو اس سے سب کا تلفظ بیں جان کر رکھی تھی!۔ اس کی انگریزی خالص امریکی تھی۔ اگرچہ یہ سب بھی انگریزی جانتے تھے۔ مگر صبا کی سی نہیں۔ صوفیہ بیگم جو پرانے نصاب کی مستند ایم اے تھیں۔ وہ بھی اس سے گفتگو نہ کر سکتیں!۔

حسن صاحب اس سے بے حد بے زار تھے۔ اور بار بار بیوی سے کہہ رہے تھے کہ اسے واپسی کا ٹکٹ دے کر ایر پورٹ پر چھوڑ آئیں۔

اس درمیان میں امریکہ سے شوکت صاحب کا مرسلہ روپیہ اور خط آیا۔ انھوں نے پوچھا تھا کہ مسز حسن صبا و منصور کی شادی کب کر رہی ہیں خواہش ظاہر کی تھی کہ اگر ممکن ہو سکے تو میاں بیوی ہنی مون امریکہ ہی میں منائیں!۔ خط پڑھ کے مسز حسن بے زار ہو گئی تھیں۔

صبا نے منصور کا پیچھا ابھی لے رکھا تھا۔ وقت بے وقت ان کے کمرے میں گھس جاتی۔ اور بہت بے تکلفی سے پوچھ لیتی تھی کہ شادی کا ارادہ کب تک ہے۔ منصور کی مزاجی تلخیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ اور مسز حسن حیران تھیں کہ آم غروہ نلنی تال چلے کیوں نہیں جاتے۔ کہنے بن نہ پڑتی تھی کہ دل میں کیا سوچیں گے۔

ان کے گھر میں عجیب سا کھونچال آیا ہوا تھا۔

سب سے زیادہ ناقابل برداشت بات یہ تھی کہ صبا نے اپنے ہم سفر امریکن سے ملنا جلنا نہ چھوڑا تھا۔ بلاناغہ یا تو وہ اس سے ملنے آتا یا وہ اس سے ملنے چلی جاتی۔ ایک دن مسز حسن نے سختی سے ٹوک دیا۔

"تمھارے یہ لچھن اچھے نہیں سمجھیں۔ یہ گھر تم نے امریکہ کا کوئی ترقی پسند آزاد خیال گھر کچھ رکھا ہے!۔ بی بی یہ ہندوستان ہے۔ ہم لوگ بہت

قدامت پسند ہیں۔ تمھاری یہ بے باکی، گھومنا پھرنا آزادانہ مردوں سے ملنا جلنا پسند نہیں کرسکتے۔ اگر تم اپنی یہ روش چھوڑ نہیں سکتیں تو اچھا ہے کہ اپنے باپ کے پاس واپس چلی جاؤ۔!"

صبا خونخوار نظروں سے پھوپھی کو گھور رہی تھی۔ بولی "آپ کو معلوم ہے کہ میرے باپ نے مجھے یہاں کیوں بھیجا ہے۔ پھر آپ انجان کیوں بن رہی ہیں۔ اپنا وعدہ پورا کر دیجئے۔ میں اور مسٹر منصور امریکہ چلے جائیں گے۔ دوبارہ آپ کو اپنی شکل نہ دکھائیں گے!"

ایسے ہی موم کی ناک ہیں مسٹر منصور!" مسرور احمد بولے۔

واٹ۔!" صبا ان پر الٹ پڑی۔

منصور کو امریکہ بھیجنا میں نہیں چاہتی" مسز حسن نے کہا "اور اب میرا ارادہ اُن سے تمھاری شادی کا بھی نہیں۔ تم نے اپنے چھن سے ہمارے دل میں گھر کرنے کی بجائے ہمارا دل برا کر دیا ہے۔ اب تم مہربانی کر کے واپسی کا ٹکٹ لو اور باپ کے پاس واپس چلی جاؤ!
سمجھی

اب میں سمجھی۔!" قہرناک آواز میں صبا نے جواب دیا" ممی کی باتوں کو میں نے کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ وہ ہمیشہ یہی کہا کرتی تھیں کہ آپ ایک تنگ دل، بے رحم اور خود غرض عورت ہیں۔ آپ نے اپنے باپ کی مرضی کے خلاف صرف پیسے کی خاطر ایک کم نصیب آدمی سے شادی کرلی تھی۔ آپ نے ماں باپ بھائیوں بہنوں میں پھوٹ ڈالی تھی۔ پیسہ آپ کا دین ایمان تھا۔ پیسے کی خاطر آپ نے میرے باپ سے جھگڑا کیا تھا۔ میری ماں کو بھی طلاق دلوانے پر آمادہ ہو گئی تھیں۔ اگر میری ماں اپنے گھر نہ چلی جائیں تو آپ انھیں زہر دے دیتیں۔ میں یہ سب کچھ جھوٹ سمجھتی تھی۔ مگر آج آپ کا نقاب

آپ کے چہرے سے اتر گیا ہے۔ آپ نے ایک وعدہ کر کے مجھے اتنی دور سے بلایا تھا اور اب آپ اپنے بیٹے سے شادی کرانا پسند نہیں کرتیں۔ میں جیسی بھی تھی آپ کو معلوم ہے۔ پھر یہ کیا کھیل کھیلا آپ نے۔ کیا آپ کا مقصد یہی تھا کہ اسی بہانے سے دھوکا دے کر میرے باپ کے پانچ ہزار ڈالر ہضم کر جائیں! لایئے نکالیے وہ رقم۔ جو آپ نے حلق سے اتاری ہے۔! ممی کہہ رہی تھیں کہ وہ عورت بس کی گانٹھ ہے:

وہ چیخ رہی تھی۔ ناچ رہی تھی۔ اور سب کا یہ حال تھا کہ جیسے دم بخود بس ٹک ٹک گھور رہے تھے!۔ مسز حسن دم بخود تھیں۔ بے چاری لڑائی جھگڑے کے نام سے کوسوں دور بھاگنے والی صلح پسند خاموش طبع، اور مہربان خاتون نے اتنی لعن طعن کاہے کو سنی تھی۔ سکتہ میں رہ گئیں۔ حسن صاحب ایک طرف کھڑے مارے طیش کے کانپ رہے تھے!۔

منصور نے مسکرا کر کہا: امی کتنی پیاری لڑکی ہے۔ اس طرح منھ سے پھول جھڑتے تو میں نے آج ہی دیکھے!!۔

اگر آپ نے اپنی بکواس بند نہ کی تو میں نہیں سمجھتا کہ میں کیا کر گزروں گا۔" مسرور احمد نے صبا سے کہا: بہت کچھ کہہ لیا آپ نے۔ اب اگر ایک لفظ بھی امی کی شان میں آپ کی زبان سے نکلا تو گدی سے زبان کھینچ لوں گا!"

معلوم ہے مجھے" صبا نے ہار نہ مانی: سچی بات اسی طرح کڑوی لگتی ہے کون پسند کرتا ہے کہ اس کے کردار کو بے نقاب کر دیا جائے۔ مگر ممی کا اندازہ صحیح تھا

انھوں نے مجھے خبردار کر دیا تھا کہ ثروت بیگم بہت گہری ہیں۔ اپنا مطلب نکالنے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ بس خدا ہی ہے جو وہ مجھیں اپنے بیٹے

سے بیاہیں۔ سب پر حاوی ہیں۔ وہ ہیں نے دیکھ لیا۔"

ڈیڈی، اس بدتمیز لڑکی سے میں کیا سلوک کروں۔ ؟" آگ ہو کر مسز احمد نے حسن صاحب سے پوچھا۔

فرطِ غضب میں آپے سے باہر حسن صاحب نے دہاڑ کر کہا: "نکال دو گھر سے باہر۔ اور پھر خبردار یہ دوبارہ دکھائی دی تو ہیں"

میں خود تمھارے گھر پر لعنت بھیج کر جا رہی ہوں۔ بڈھے۔ لاؤ میری رقم واپس کرو۔ !" حسن صاحب کے مقابلے پر چیخنے میں صبا نے کمی نہ کی!" میں جاتی ہوں اپنے دوست کے پاس۔ غنیمت ہے کہ وہ میرے ساتھ تھا ورنہ ۔ !" اس کی بات بھی ادھوری رہ گئی۔ کیونکہ بکو اس کے دوران میں مسز احمد نے مسز حسن کی الماری کھول کے شوکت صاحب کا وہ لفافہ نکال لیا تھا جس میں پانچ ہزار ڈالر کا ڈرافٹ رکھا ہوا تھا۔ انھوں نے لفافہ صبا کے منھ پر دے مارا۔ اور دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولے۔

"وہ راستہ ادھر ہے"۔

نہیں،" سکرات کے بیمار کی سی آواز میں مسز حسن نے کہا: "جوان لڑکی ہے۔ اسے یوں نہ نکالو۔ ماری ماری کہاں پھرے گی!؟"

پرواہ نہ کرو بڈھی۔ میں جا رہی ہوں۔!" صبا نے کہا۔

شٹ اپ اینڈ گیٹ آؤٹ!" حسن صاحب دہاڑے۔

صبا کے پیٹھ پھیرتے ہی اسما کی چیخ ابھری: "ارے۔ امی کو کیا ہو گیا۔ یہ تو گر رہی ہیں"

مسز حسن کے لبوں سے ایک ہولناک خرخراہٹ سی نکلی اور وہ اس طرح کرسی کے پہلو پر لڑھکیں کہ کرسی کو ساتھ لے کر زمین پر آ رہیں۔!"

سب ان کی طرف جھپٹے، انھیں ہاتھوں ہاتھ اٹھا کر تخت پر لٹا دیا۔
اور ایتار ڈاکٹر کو لانے بھاگا!۔
ان سب کے دماغ ماؤف ہو رہے تھے۔ صبا کی دوبارہ ذہنی کا انجام
ان کی ماں پر بڑا خوفناک ہوگا۔
مسز حسن مُردے کی طرح بستر پر پڑی تھیں۔ ان کے ہاتھ پیر برف
ہو رہے تھے؛ آنکھیں نیم وا تھیں۔ لب کھلے تھے۔ وہ کانپ رہی تھیں۔
فوراً جاؤ! اور صفدر و صوفیہ کو بلا لاؤ" وحشت زدہ لہجے میں حسن صاحب
نے کہا: خدا ہی خیر کرے۔ مجھے تو آثار ـــــ!"
افتخار صفدر صاحب کے گھر کی طرف دوڑ گیا۔
منصور اور مسز راحد مسز حسن پر جھکے ہوئے تھے۔ اسما پائینتی بیٹھی اپنے
آنچل سے ان کے برف ایسے تلوے سہلا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے
تھے۔ اب بھی انجام خراب نظر آ رہا تھا۔ دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی
انھیں ہوش آجائے وہ جلدی اچھی ہو جائیں۔!
منصور رہ رہ کے اپنی جلتی ہوئی آنکھیں پھاڑ رہے تھے۔ اور دیوانی
نظروں سے صحن میں دیکھ رہے تھے جہاں تیز دھوپ منجمد چاندی کی طرح
جمی ہوئی تھی۔
مسز راحد کا چہرہ عجیب ہو رہا تھا۔
حسن صاحب کرسی کھینچ کر بیوی کے پاس تخت کے کنارے بیٹھے تھے
اور ان کی نبض دیکھ رہے تھے۔ دل پر ہاتھ رکھ کر دل کی تیزی رفتار
سے اندازہ لگا رہے تھے۔ آخر اس کی منزل کہاں ہوگی۔ بھاگا جا رہا ہے
اومیرے خدا۔ ان کی حالت تباہ تھی۔ کیا کوئی برا وقت آ پہونچا ہے

قریب تھا کہ وہ بھی بے ہوش کے گر جاتے!۔

پھر ڈاکٹر اور ساتھ ہی صفدر صاحب معہ صوفیہ بیگم کے بھاگتے دوڑتے اوپر آئے!۔ ڈاکٹر اپنے بیمار پر جھک گیا۔ اور صوفیہ بیگم دل تھام کر اپنی بہن کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔ عذرا بھی تھی۔ سچ مچ پریشان تھی۔ چہرہ سفید تھا۔ لب مرتعش تھے۔ اس نے ایک نظر منصور پر ڈالی۔ اور چہرہ پھیر لیا منصور کی طرف دیکھا نہ جاتا تھا۔ ان کے ماتھے سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ ہونٹ ضبط گریہ کی کوشش میں کانپ رہے تھے۔ اور ان کا حال ماں سے بدتر ہو رہا تھا۔ اتنی دیر تھی کہ وہ ماں کے اطراف پھر کر قربان ہو جائے!۔

"کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب!؟" حسن صاحب نے پوچھا۔ جب ڈاکٹر ان کا پریشر چیک کر رہا تھا!۔

صدمہ۔ اعصابی کمزوری" ڈاکٹر نے کہا۔

خدانخواستہ دل کا دورہ تو نہیں ہے۔ امی کا دل شروع سے کمزور ہے اور پہلے ان پر خفیف سا دورہ پڑ چکا ہے!" منصور نے کہا۔

نہیں۔ یہ دوسری کیفیت ہے" ڈاکٹر نے کہا اور ان کا بلڈ پریشر چیک کرنے لگا۔

دوسری کیفیت" صفدر صاحب نے گھبرا کے کہا "آپ کا کیا مطلب ہے"

"ابھی دیکھ کے عرض کرتا ہوں" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ اور وہ سب تخت سے اور گرد کھڑے اس کے فیصلہ کن جواب کے منتظر امید و بیم کی کیفیت میں اسے دیکھنے لگے!۔

مجھے ہارٹ اٹیک کا خوف تھا مگر ایسا نہیں ہے۔ دل کی رفتار معمول پر آتی جا رہی ہے۔ یہ کسی غیر معمولی صدمے کا اثر ہے۔ ابھی ہوش آجائے گا۔ مگر اس

کے بعد بہت احتیاط لازم ہے۔" ڈاکٹر نے کہا اور بلڈ پریشر کی پٹی باندھ کر کیس بیں رکھتے ہوئے کہا۔" ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ ہو۔ ایسی باتیں نہ کی جائیں جن سے اعصاب کی کشیدگی کا خطرہ ہو۔ ورنہ۔ بلڈ پریشر ایک دم سے ہائی ہوجائے گا اور اندیشہ لگا رہے گا کہ یا تو رگوں کے پھٹنے سے یا انجماد خون کی وجہ سے اچانک انتقال ہوجائے۔ آپ سمجھ رہے ہیں میری بات!"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔!" حسن صاحب نے کہا۔" جو کچھ آپ نے تاکید کی ہے اب اسی پر عمل کیا جائے گا!"۔

"کیا بلڈ پریشر بہت ہائی ہے؟" صفدر صاحب نے پوچھا۔

"ہاں۔!"

"تو پھر کیا کیا جائے ڈاکٹر صاحب؟" منصور نے تڑپ کر پوچھا۔

"فی الحال تو میں انجکشن اور دوائیں دیے دیتا ہوں۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "لیکن ان کا اصلی اور واقعی علاج یہ ہے کہ انھیں ہر وقت خوش اور فکروں سے دور رکھنے کی کوشش کی جائے!۔ اس نے ایک انجکشن مسز حسن کے دیتے ہوئے پھر کہا۔"

ورنہ میں نہیں سمجھتا کہ ایسا ہی ایک اور دورہ انھیں زندہ رکھ سکے گا!

دفعتہ مسز حسن کی پلکیں جھپکیں اور انھوں نے کراہنا شروع کر دیا۔

امی! منصور ان کے چہرے پر جھکے اور ان کی پسینے کی بھیگی ہوئی پیشانی چوم لی۔" امی آنکھیں کھولیے۔ امی اٹھیے پریشان نہ ہو جائیے۔ دیکھیے ہم سب یہاں ہیں۔ آپ۔"

ڈاکٹر نے ہاتھ اٹھا کر انھیں روک دیا۔ وہ سیدھے ہو گئے اور اچانک رونے لگے۔" ڈاکٹر صاحب۔ میں اپنی امی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بس آپ۔

کے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ کوئی ایسی دوا امی کے لیے تجویز کیجئے کہ ایسا دورہ انھیں پھر نہ پڑ سکے!"

"دیکھئے ذاتی علاج میں آپ کو بتا چکا ہوں" ڈاکٹر نے کہا "خوش رکھیے فکروں سے بچائیے۔ اعصابی مریضوں کے لیے غم اور بلڈ پریشر کے بیماروں کے لیے فکریں سم قاتل ہیں! آپ سمجھے۔؟"

"جی!" انھوں نے سسکی سی لی۔

صوفیہ بیگم نے مسز حسن کو آواز دی اور سرہانے بیٹھ کر ان کے بال برابر کرنے لگیں۔

خدا خدا کر کے مسز حسن نے آنکھیں کھولیں۔ مگر ان پر اتنی نقاہت طاری تھی کہ جیسے پلکوں سے پلکوں کا جدا کرنا بھی ان کے لیے بڑا تھکا دینے والا کام تھا۔

ڈاکٹر صاحب نسخے لکھ کر گئے تب یہ سارے لوگ ان کے پاس آ بیٹھے۔ صوفیہ بیگم نے بڑی محبت سے خیریت پوچھی۔ حسن صاحب نے تسلیاں دی تھیں۔ صفدر صاحب نے انھیں ہنسانے کی کوشش کی اور ان کے بچوں نے انھیں مشورہ دیا کہ کسی کی مہمل اور فضول بکواس کا اپنی صحت پر اثر نہ لیں!۔

بہرحال اپنے ہمدردوں کو اپنے پاس دیکھ کر مسز حسن کا دل ٹھہرا

جان میں جان آئی۔! اور خود میں بڑی طاقت محسوس کی۔!

اب تم خوش رہنے کی کوشش کرو۔!" حسن صاحب نے بیوی سے کہا "بھئی یہ کیا ضروری ہے کہ دوسروں کے اعمال کا خود پر انحصار کیا جائے

لوگ بازہ گوئی کرتے ہی رہتے ہیں۔ اب کیا سننے والے اسی طرح خود کشی کیا کریں گے؟"

میرے بھائی کی بچی" ہچکیاں لے کر مسز حسن رو پڑیں: "میں نہیں سمجھی تھی کہ وہ مجھ پر ایسے ایسے بہتان رکھے گی۔ مجھے کیا کیا نہ بنا دیا اس نے!"

امی اب بس کیجئے" منصور نے ان کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا" وہ بلا ہمارے گھر سے گئی۔ اب آپ مت روئیے۔ میں نے آپ سے بہت پہلے ہی کہا تھا کہ وہ آپ کے گھر میں فٹ نہیں ہو سکتی۔ خیر۔ اب مارئیے گولی اور اپنے دل سے ملال دور کیجئے!۔ آپ نے تو ہم سب کی جان ہی نکال لی تھی"

اے ہاں باجی۔ آپ ماشاء اللہ سمجھدار، عقلمند اور سمجھ بوجھ والی ہیں" صفیہ بیگم نے کہا" آپ نے اتنی سی بات کا ایسا اثر کیوں لیا کہ اللہ نہ کرے بے حواس ہو گئیں۔

صوفیہ! "حسن صاحب نے انھیں ٹوک دیا: میں تم سے بھی کہتا ہوں اور تم سب سے بھی میری پہلی اور آخری گذارش یہی ہے کہ براہ کرم اس قصہ نامرضیہ کو اسی جگہ ختم کر دو!۔ پھر سے اس ناگوار واقعہ کے بخیئے ادھیڑ کر اس پر تبصرہ مت کرو۔ ثروت تمھارے لیے ڈاکٹر نے یہی علاج بتایا ہے کہ تم خوش رہو۔ اور فکروں کو خود پر مسلط نہ ہونے دو!۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔! تمھاری موجودگی ہم سب کے لیے بہت ضروری ہے میں چلا جاتا ہوں سروے پر۔ میرا جانا ضروری ہے۔ مگر میں جہاں جاؤں گا۔ میرا دل یہیں لگا رہے گا۔ مطلب یہ کہ فکریں تجھ پر بھی اپنا سایہ ڈال دیں گی۔ میں ڈھنگ سے کوئی کام نہ کر سکوں گا۔ اس کے علاوہ منصور، مسرور اور یہ دونوں لڑکے اپنے کالج اور دفتر چلے جائیں

گئے۔ ان کا دماغ بھی ٹھکانے نہ رہ سکے گا! ہم سب کی فراغت اور صحت کا دار ومدار تمھاری صحت و زندگی پر ہے۔ اب بتاؤ کہ تم خود ہنسی خوشی زندہ رہنا اور ہم سب کو خوش اور زندہ رکھنا چاہتی ہو کہ نہیں؟"

ارے ڈیڈی۔ امی پر خفا مت ہوئیے" دفعتہ اسما کی ننھی سی محبت بھری آواز نے وہاں کی فضا میں حیات و مسرت بخش لہریں دوڑا دیں "امی ابھی کمزور ہیں۔ انھیں ابھی ابھی تو ہوش آیا ہے۔ پہلے میں دودھ اور انڈیں ان کو لا کے پلا دوں۔ پھر آپ امی کو سمجھائیے گا!"

یہ تو نیکی کا فرشتہ ہے فرشتہ!" حسن صاحب بے ساختہ بولے۔

میری بچی ادھر آ" مسز حسن گلوگیر لہجے میں بولیں "تو میرے سینے سے لگ جائے گی۔ میرے سارے دکھ دور ہو جائیں گے!" انھوں نے اسما کو پاس بلا کر بے حد محبت سے اپنے سینے سے لگا لیا۔

ماحول بدل گیا۔

حسن بھائی" صفدر صاحب نے کہا "میں آپ کو خوشخبری سنانا بھول ہی گیا۔ ثروت باجی آپ سن رہی ہیں۔ خدا کے فضل اور آپ کی دعا سے مجھے پھر کام مل گیا ہے۔ میری بھی بڑی فکر دور ہوئی۔ ورنہ میں سمجھتا تھا کہ میں بھی کہیں صوفیہ بیگم کی طرح اختلاج کا بیمار بن کر نہ رہ جاؤں!

خدا مبارک کرے" حسن صاحب اور مسز حسن نے بیک وقت کہا۔

پھر اسما سے بولیں "جا بیٹی۔ لے آ چائے۔ اب میں ٹھیک ہوں۔ میں بھی چائے ہی پیوں گی!" پھر انھوں نے بہت ٹھنڈی سانس لی۔

"یہ گھر کا کارخانہ عجیب ہے۔ یہ سب لڑکے ہیں۔ میں کمزور ہوں۔ اسما ابھی کالج میں ہے ابھی سے اس کے سر گرہستی آپڑی ہے۔ کاش

منصور کی دلہن بھی آجاتی۔ وہ بڑی بہو ہوتی۔ اور ماشاءاللہ یہ دونوں بچیاں مل کر میرا گھر سنبھال لیتیں۔"

حسن صاحب نے کھنکھار کر کہا "عذرا۔ بیٹی تم بھی اپنی بہن کا ہاتھ بٹا لیتیں۔ مجھے ذرا سے بھوک معلوم ہو رہی ہے۔ اگر نمکین سیو ہوں تو تل لانا۔"

جی اچھا ڈیڈی۔" عذرا کے منھ سے بے ساختہ نکل گیا۔ اور وہ سرخ ہو کر بھاگ گئی۔

حسن صاحب مسکرائے۔ اور صوفیہ بیگم سے بولے "میں سمجھتا ہوں کہ تمھیں ثروت باجی سے کافی محبت ہوگی!۔

اے حسن بھائی۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں" صوفیہ بیگم بولیں" بھلا مجھے ان سے محبت کیوں نہ ہوگی!۔

تو پھر تمھی ان کا علاج کر سکتی ہو۔

میں۔ میں بھلا کیسے؟۔

تم نے ڈاکٹر کا مشورہ سنا ہے۔ انھیں فکروں سے دور اور خوش رکھا جائے۔

"جی۔!"

ان کی بڑی فکر منصور کی شادی کی ہے۔ سمجھیں!۔

جی!۔" صوفیہ بیگم کی سانس پھولنے لگی۔ اللہ۔ کیا دیرینہ آرزو پوری ہونے والی ہے! تازہ بن کر ان کی آنکھیں مسز حسن پر لگ گئیں۔ ادھر صفدر صاحب بھی کچھ مشکوک سے تھے! تک رہے تھے باری باری حسن صاحب اور مسز حسن کو حسن صاحب نے کھانس کر گلا صاف کیا۔"

صفدر میاں۔ تمھاری بڑی لڑکی کا رشتہ کہیں سے آیا ہے۔

"جی ابھی تک تو نہیں جناب!" صفدر صاحب کا دل بلّیوں اچھلنے لگا

تو میاں پھر اسے کبھی مجھی کو کیوں نہیں دے دیتے؟" حسن صاحب نے کہا

آپ ہی کی ہے حسن بھائی" بیتاب ہوکر صوفیہ بیگم بول پڑیں۔

اگر میری ہے تو پھر مجھے اختیار دو کہ اسے ہمیشہ کے لیے اپنے ہاں رکھ لوں" حسن صاحب نے کہا" بھائی۔ یہ تمھاری بہن بہت عرصے سے مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ تمھاری یہ بچی انھیں بہت پسند ہے۔ مگر میں کہہ رہا تھا کہ ابھی منصور پڑھ رہا ہے۔ وہ بھی پڑھ رہی ہے۔ لہذا چلنے دو لیکن اب صورت حال بہت بدل گئی ہے۔ تمھاری بہن کی صحت دگرگوں ہے۔ انھیں ہر طرح بچانا ہے۔ ان کا علاج اگر خوشحالی اور بے فکری ہے تو ہمیں اس علاج کے روبہ عمل لانے میں تاخیر یا گریز نہیں کرنا چاہیئے!

مم۔ مگر۔ حسن بھائی" صوفیہ بیگم افراط مسرت سے بوکھلا کر ہکلائیں میرے پاس تو سچ کہتی ہوں کہ اب نہ تو کپڑے کی ایک دھجی ہے۔ نہ زیور کے نام کا ایک تار۔ جو میں اسے دے سکوں!"

صوفیہ! پاگل ہوگئی ہو کیا" حسن صاحب کی ایک تو گرج نما آواز۔ اوپر سے وہ غصہ ہو گئے۔ اب تو جیسے کہ دالان گونج اٹھا۔ صوفیہ بیگم نے زبان دانتوں تلے داب کر سر جھکا لیا۔

تمھاری بچی بہت پیاری ہے۔ صوفیہ!" کمزور آواز میں مسز حسن نے کہا" اب یہ نہ سوچو کہ کیا بھیجنا ہے اور کیا تمھیں دینا ہے۔ خدا وہ وقت نہ لائے کہ اتنی بے غیرتی ہم میں پیدا ہو جائے۔ میں تو کہتی ہوں کہ اچھی لڑکی بجائے خود مکمل جہیز ہے۔ اس لیے اب تم یہ فضول خیالات دل سے نکالو

اور مجھے ایک جواب دے دو۔!"

کاہے کا جواب :"حسن صاحب نے کہا :"کیا یہ دونوں مجھ سے بڑے ہیں جو میں ان سے جواب طلب کروں گا۔ میرا حکم ماننا ان کے لیے بھی ضروری ہے

"جی !" صفدر صاحب ہنسنے لگے۔ ان کی معاشی حالت پھر سے مضبوط ہو گئی تھی۔ بے حد خوش تھے۔

تو پھر بلاؤں قاضی صاحب کو ؟" حسن صاحب کہا۔

اب یہ تو آپ اپنے دعوے بزرگی کی خود ہی تردید کر رہے ہیں۔"

صفدر صاحب نے کہا۔

"اچھا اچھا" وہ ہنسنے لگے ! پھر بولے " جلدی مجھے اس لیے ہے بیٹا کہ تم نے آج کا رنگ دیکھ لیا ہے۔ انسان کی زندگی کا کیا بھروسہ۔ اب میں ہوں چاہے نہ۔! چاہے کوئی بھی ہو۔ موت سب کے لیے مقرر ہے ہمارے بعد گھر کا ایک مرکز پر رہنا بہت ضروری ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ کوئی ہمدرد، گرہست اور مخلص ہستی گھر کو سنبھال لے جائے۔ سو یہ جانی پہچانی لڑکی کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ تم نے اپنی لڑکیوں کی اتنی عمدہ تربیت کی ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ ہیرہ ایسی بچی کسی اور کو مل جائے۔ لہٰذا اسے بھی میرے ہی پاس آنا چاہیئے۔!"

منصور میاں سے پوچھ لیتا ۔۔۔ !" صفدر صاحب نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر مسٹر حسن نے بات کاٹ دی۔

وہ تو مجھ سے کئی مہینے پہلے ہی کہہ چکا تھا۔ مگر میری عقل پر جو اپنے بھائی کی بچی کا خیال سوار تھا سو میں نے تم سے تذکرہ نہ کیا۔ ویسے میرے بچے بہت سعادت مند ہیں۔ !تم منصور کی مرضی کی فکر نہ کرو !"

باجی آپ کی مرضی بھی یہی ہے کہ فی الفور قاضی صاحب کو تکلیف دی جائے؟" صفدر صاحب نے ہنستے ہوئے بیگم حسن سے پوچھا۔
"بالکل بیٹا یہی مرضی ہے میری!۔" وہ آبدیدہ ہوکر بولیں۔
"اچھی بات ہے۔ آپ لوگ بڑے ہیں" صفدر صاحب بولے۔
"اب تم خود کو کیا محسوس کر رہی ہو" حسن صاحب نے بیوی سے پوچھا۔
"اللہ نے نئی زندگی دی ہے!" وہ بولیں۔ مسرور احمد خوش ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے۔
"تو پھر لے آؤں قاضی صاحب کو؟"
"فوراً لے آؤ۔!" حسن صاحب کے محبت بھرے لہجے کی بھی دہاڑ۔ جیسے توپ چل گئی ہو! مسرور احمد ہنستے ہوئے چلے گئے!۔
عذرا اپنی تقدیر کے اس فیصلے سے بے خبر کچن میں تھی۔ اسما بھی اس کے ساتھ تھی۔ دونوں نے سموسے تلے۔ سیو بنائے۔ اور انھیں ٹرے میں قرینے سے سجائے۔ پھر اسما بولی۔
"آپ یہ لے جایئے۔ تب تک میں چائے دم دے دوں!۔ آپ کے پیچھے ہی آتی ہوں!"
"اچھا!" عذرا نے کہا۔ وہ کسی خیال میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں دو آنسو بھری آنکھیں کھلی تھیں۔ مرد کی آنکھوں میں آنسو سچ مچ کتنا دکھ اور ساتھ ہی کتنا حسن تھا۔ اس ادا میں۔ کیا کر سکتی ہے وہ کہ وہ آنکھیں ہمیشہ کی طرح مسکرا اٹھیں
اسے منصور کی مسکراہٹ سے الرجی تھی۔ کیا وہ اُن کے گریہ بے اختیار سے خوش تھی۔

"نہیں!۔" بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا۔
"کیا۔؟" اسما نے پوچھا۔
عذرا جلدی سے ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی
جب اس نے ٹرے میز پر رکھ دی تو حسن صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ اور اپنے بھاری بھر کم سینے سے اسے یوں چپکا لیا۔ جیسے کوٹ کے کاج میں۔ گلاب کی کلی اٹکائی ہو۔

پھر جو انھوں نے اس کی تعریف میں زمین آسمان کی چولیں ملا دیں تو وہ کھٹکی۔ خدا خیر کرے۔ یہ تعریف و ستائش کس بات کی تمہید ہے؟۔ مگر وہ جان بوجھ کر شرماتی اور گلابی ہوتی رہی!۔

اتنے میں اسما بھی چائے لے کر پہونچ گئی! اور تب بیگم حسن نے اس سے کہا۔ "بیٹی۔ اب ذرا اپنی بہن کو سجا کے دلھن بنا دو۔! ان کا بیاہ ہے!"

"سچ۔ امی۔؟" اسما خوشی کے مارے بے حال ہو کر بولی "بھائی جان کے ساتھ نا!؟"

"اور کیا!"

اور عذرا پر بجلی سی گر پڑی۔ بیاہ۔؟ منصور کے ساتھ۔! یہ کیا ہو گیا!۔ اس نے بے اختیار نظریں اٹھا کے دیکھا۔ منصور سامنے ہی تو بیٹھے تھے۔ دونوں کی نظریں ملیں اور سر سے لے کر پاؤں تک سرخ ہو کر عذرا نے سر جھکا لیا۔ وہ بہت تیز طرار تھی، منھ پھٹ اور خود سر تھی۔ لیکن اس کی یہ ساری خصوصیات شرم و حجاب کے ریلے میں بہہ گئیں۔ زبان کا کھولنا کیا۔ وہ تو آنکھیں کھولتے گڑی جا رہی تھی!۔

"اسما۔!" بیگم حسن نے اسے الماری کی چابیاں دیتے ہوئے کہا "وہ سرخ

مرصع لباس اور زیور نکال دو۔ اور کسی سے کہو کہ پھول اور مٹھائی۔ رات کا کھانا۔ اور۔۔

پتہ نہیں وہ کیا کہتی رہیں۔ اسما نے کچھ سنا کچھ نہ سنا۔ عذرا کا ہاتھ پکڑ کر اٹھی اور اسے اپنے کمرے میں لے گئی!

دونوں بہنیں بدحواس ہو رہی تھیں۔ ایک فرط مسرت سے دوسری فرط حیرت سے۔ اسما کہہ رہی تھی "قسم سے باجی منصور بھائی فرشتہ ہیں آپ کا نصیب اتنا اچھا ہے۔ ہائے اللہ۔ جب آپ بھی اسی گھر میں آجائیں گی تو پھر۔۔!"

ہاں ہاں۔ تم تو شروع ہی سے اس گھر میں آنے کے لیے بیتاب تھیں" عذرا نے کہا۔ اس کی سانسیں پھول رہی تھیں۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ کچھ حیرت تھی کچھ خجالت اور کچھ شرم کا زور۔ وہ عجیب و غریب جذبوں کے حصار میں قید مبہوت سی ہو رہی تھی۔ وہاں چار بڑے موجود تھے۔ اس کے والدین اور ساس سسر۔ لیکن ہلا کے اسے خود کو اور ماں باپ کو بدنام کرنا نہیں تھا اور پھر کیا اس کی کبھی یہی آرزو نہ تھی۔

پھر اس نے حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اور بہت چپکے سے بولی "میری چھوٹی الماری میں ایک لفافہ رکھا ہے۔ وہ لے آؤ۔ مگر اسے کھول کے نہ دیکھنا"

کوئی نذرانہ رکھا ہے منصور بھائی کے لیے!" اسما شوخی سے بولی۔ بڑی بات ہے کیا۔؟

"او۔ باجی۔ ایسے لوگوں کے لیے نوجوان کا نذرانہ بھی کم ہے"

اور پھر شام ہوتے ہوتے صوفیہ بیگم کی دیرینہ تمنا ایک خواب کی طرح

پوری ہوگئی۔ آج وہ بھی قطعی صحت مند تھیں اور بیگم حسن بھی!۔ (تعبیر)
تنہائی میں منصور سے نظریں چار کرنا عذرا کے لیے بڑا کٹھن کام تھا
اس نے دھک دھک کرتا دل تھام لیا۔ اور ادھر ادھر دیکھنے لگی!۔
کمرہ بھی دلہن بنا ہوا تھا۔ پھول، عطر، سہاگ کی خوشبو اور چاندنی۔
وہ معصوم آنکھیں کھولے دیکھ رہی تھی۔ برآمدے میں چاندنی مسکرا رہی
تھی۔ اور نیلے آسمان پر عروس ماہتاب ستاروں کے درمیان مسکرا رہی
تھی!۔ خنک و معطر ہواؤں میں ارغنون سا بج رہا تھا۔ سناٹا آہستہ
آہستہ گہرا ہو رہا تھا۔! تب عذرا نے چپکے سے سانس لی۔ اور ایک گونجتی
سی آواز آئی۔

"بیگم منصور! خادم کورنش بجا لاتا ہے!"
ہائے اللہ۔ بے ساختہ اس کا سر جھک گیا۔
منصور اس کے سامنے آبیٹھے۔ اور بہت دیر بعد ان کے لبوں پر مسکراہٹ
نمودار ہوئی!۔

"جذب دل کی تاثیر۔ اٹھے ہوئے ہاتھوں اور بلکتی ہوئی آرزو کی
تاثیر دیکھی آپ نے۔؟ اب یہ خاکسار یہ نہیں جانتا کہ آپ خوش
ہیں کہ ناخوش۔ مگر میں تو اتنا خوش ہوں کہ ڈر رہا ہوں۔ میرا دل
کہیں نہ رک جائے۔ اور میں آپ کے خوف سے تھر تھر کانپ رہا ہوں۔
یاد ہے۔ آپ نے مجھے ایک دن کس بری طرح پھٹکارا تھا۔ خدا کے لیے
اب نہ پھٹکار دیجئے گا۔ کیونکہ اب میں خود اپنا نہیں رہا۔ آپ کا ہو گیا ہوں
شاید برا مان جاؤں!"

انھوں نے ہنستے ہوئے ایک سرخ رنگ کا کیس کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا جس میں زیور کا مکمل سیٹ رکھا ہوا تھا۔

"آپ کی خدمت میں خاکسار کا حقیر سا نذرانہ۔!" انھوں نے کہا اور پیار سے اس کا چہرہ اٹھایا۔ اور مسحور ہو کر اسے تکتے رہے!۔

اور تب عذرا نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پژمردہ پھولوں کا ایک باسی ہار ان کے قدموں میں رکھ دیا۔

"ایک کنیز کا نذرانہ۔ اپنے آقا کی خدمت میں!!۔

شرم سے کانپتی ہوئی آواز میں عذرا نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

منصور نے پہچان لیا۔ یہ وہی ہار تھا۔ جو ایک دن انھوں نے عذرا کو تحفتہً دیا تھا!۔

محبت کی مہک امر ہوتی ہے۔!!

تمام شد

عفت موہانی!!